الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

سوانح حیات

شیخ الطریقۃ

الحاج الحافظ حامد حسن العلوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

قطب الاقطاب شیخ الطریقہ الحاج الحافظ والقاری مولانا محمد شعیب حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

سوانحِ حیات

شیخ الطریقت الحاج الحافظ حامد حسن العلوی رحمۃ اللہ علیہ

از

شیخ الطریقت قطب الاقطاب الحاج الحافظ مولانا حضرت محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

وصیت حضرت مرشدنا و مولانا حافظ حامد حسن علوی

قطب العالم سید عبدالباری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کی اشاعت کی ذمہ داری جس حد تک میرے امکان میں تھی میں نے پوری کی۔ اللہ جل شانہ اس کو قبول فرمائے۔ اور آخرت کا سرمایہ بنائے۔

اب میں کمزور ہو چکا ہوں۔ اس کام کے لیے بہت ضرورت ہے کہ کم از کم ذمہ دار اصحاب اتفاق و اتحاد سے صلاح و مشورہ کے ساتھ آگے قدم بڑھائیں۔

چونکہ یہ سلسلہ ایک عالم گیر پیغام ہے۔ اس لیے جس حد تک لوگوں میں یکسانیت اخلاص و محبت، کا جذبہ ہوگا۔ کام میں کامیابی اور قبولیت ہوگی۔ سلسلہ کی امانت کی حفاظت، میرے متبعین کو چاہیئے کہ بہت احتیاط سے کریں اور غفلت سے ہوشیار رہتے ہوئے ہمیشہ بڑے مقصد کے لیے کوشاں رہیں۔ اختلاف ہمیشہ جمعیت کو پراگندہ کرتا ہے اور غفلت بڑی نعمتوں سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔ اختلافی مسائل اور دوسرے اسباب اختلاف سے بچتے رہیں۔ حق و اعتدال کو اپنا مسلک بنائیں۔ میں نے اپنے امکان بھر اتحاد و اتفاق کا پورا انظام قائم کر دیا ہے۔ آ[illegible]مات چھپوا دی ہے۔ مرکز کے لیے خانقاہ قائم کر دی ہے۔ احباب کوشش کریں کہ اس کا وقار و احترام قائم اور روز بروز بڑھتا رہے۔ دعا کرتا ہوں اللہ جل شانہ سلسلہ کی عالم گیر قبولیت کا مژدہ جلد از جلد عالم میں ظاہر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

حامد حسن علوی

دستخط ۱۰ اگست ۱۹۵۸ء

ترتیب

مقدمہ	۵	چاٹگام کے ایک خاص مرید	۳۵
تمہید	۱۸	تعلیم سلوک کی آخری نسبتیں	۳۶
باب اول۔ حالاتِ زندگی		علماء کا احترام	۳۷
نام و نسب	۲۲	ایک یتیم کی پرورش	۳۸
ابتدائی تعلیم		ایک سخت آزمائش	۳۹
والد ماجد کی حضرت سید عبدالباری		حکیم انوار صاحب	۴۰
شاہ سے پہلی ملاقات	۲۳	معمولات	۴۱
دوسری ملاقات	۲۴	رمضان اور تراویح	۴۵
معلمی کا شغل	۲۵	تلاوتِ کلامِ پاک	۴۶
پیرِ مرشد کی خدمت میں باریابی	″	زکوٰۃ	″
کھینی کا مشغلہ	۲۶	سفر حرمین شریفین	۴۷
مرشد پر فدائیت	۲۷	تین اہم کاموں کی تکمیل	۵۰
مرشد کا مرتبہ	۲۸	آخری ایام اور وصال	۵۳
تعلیم سلوک	۳۰	اولاد	۵۶
برما کا سفر	″	باب دوم۔ سیرت	
مرشد کا وصال اور خلافت کی ذمہ داری	۳۱	اتباعِ سنت	۵۸
حضرت مولانا غلام سلمانی کے یہاں قیام	″	قوتِ تاثیر	۶۰
ایک خواب	۳۲	علمی تبحر	۶۳
حضرت مولانا کا خصوصی برتاؤ	۳۳	تحمل و بردباری	۶۵
چاٹگام کا تبلیغی سفر	۳۴	تواضع و خاکساری	″

ایثار و اخلاص	۶۶	طریقۂ تعلیم	۱۲۶
اعتدال و وسعت نظری	۶۸	آداب اور قوانینِ طریقت کا لحاظ	۱۲۸
استقامت	۷۳	تبلیغ میں استغنا اور کوشش	۱۳۰
حق گوئی	۷۴	تربیت میں وسعت نظری	۱۳۲
تحقیقی علم اور رائے	۷۵	رسومات سے احتراز	۱۳۴
اکرامِ مومن	۷۷	معاصر کے غلط اثرات سے احتیاط	۱۳۶
ضیوف کی خدمت	۷۸	کسبِ حلال کا اہتمام	"
متوسلین کی فدائیت	۷۹	جھاڑ پھونک سے گریز	۱۳۷
دینی شغف اور بے چینی	۸۰	نیابت کی بنیاد اہلیت پر	۱۳۸
باب سوم۔ مسائلِ تصوف		سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت	۱۳۹
علماء اور صوفیاء	۸۳	متعلقین کی ذمہ داری	۱۴۱
اسلامی تصوف کی ابتداء	۸۶	باب پنجم۔ شجرۂ طریقت	
مراقبہ	۹۰	سلسلہ کا تعارف	۱۴۴
توجہ اور نسبت	۹۱	شجرۂ سلسلہ عالیہ قادریہ۔ منظوم فارسی	۱۴۵
ذکر کا مفہوم	۹۹	" " منظوم اردو	۱۴۸
کشف و انشراح	۱۰۶	" عالیہ شاذلیہ۔ منظوم فارسی	۱۵۰
جذب و سلوک	۱۰۹	" عالیہ نقشبندیہ۔ منظوم فارسی	۱۵۳
وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود	۱۱۵	" عالیہ چشتیہ۔ منظوم فارسی	۱۵۵
رویت باری تعالیٰ	۱۲۰	" " منظوم اردو	۱۵۹
باب چہارم۔ دعوت و تبلیغ		" عالیہ نقشبندیہ مجددیہ۔ منظوم فارسی	۱۶۳
دعوت کے دو رخ	۱۲۳	" " منظوم اردو	۱۶۵
ضرورتِ شیخ	۱۲۴	وصایا حضرت مرشدنا	۱۶۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔

البتہ ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے سمجھ والوں کے لیے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ۔

اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (سمجھدار) دل ہو۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ۔

اور (اس بھید کو) بجز عقل والوں کے کوئی نہیں سمجھتا۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ۔

اور وہی لوگ نصیحت پاتے ہیں جو اللہ کی طرف جھکتے ہیں۔

حالات کا سننا اور واقعات سے گزرنا ہوشیاری اور عمل کے استحکام کے لیے ہے، جس طرح وعظ و نصیحت آگاہی اور بیداری کے لیے۔ لیل و نہار کی تبدیلیاں، آسمان و زمین کی گردشیں، صبح و مسا کی پیدائش، اور ظہور کے اسباب ہیں، تقرب اور قبولیت کے اوقات لاتی اور گزارتی ہیں، کتابی تحریریں قدسی الصفات نمونے مقبولیت اور اس کی کوشش کو ظاہر کرتے ہیں، عالم اور اس کے احوال، استواری اور

ہمواری، استقلال اور پائیداری پیش کرتے ہیں تو مشغولین کے اعمال و اطوار مداومت اور استقامت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کرنے اور بچنے کے حدود کی تعیین بچنے والوں اور کرنے والوں کے انداز کو دیکھنے اور سننے سے سمجھی جا سکتی ہے۔ وقت کا کون سا حصہ انمول رہا اور متحرک فعال نے اس سے کیا ثمرات حاصل کیے اس کا جاننا جس تشویق کا باعث بنے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نصیحت کی کتاب میں قصے ہوتے ہیں اور واقعات۔ آسمانی اثرات کا ذکر ہوتا ہے تو زمینی منفعت کا بیان، ہواؤں کا انداز پیش ہوتا ہے تو بادل کے نتیجے۔ یہ سب تفکرات کی دعوت ہیں اور عقل مند کے لیے نشانیاں۔ حالات اور واقعات کی طرف توجہ اور ان میں غور و خوض ذہنی بیداری اور باطنی شگفتگی کا باعث ہے۔ تو زندہ قوموں اور برگزیدہ شخصیتوں کے کردار کا مطالعہ ایسا نمونہ بننے کے لیے مؤثر، عطائے معطی اور اس کی بخششوں سے واقفیت چوکنا رہنے اور تضیع اوقات سے بچنے کا وعظ ہے تو ستودہ صفات اور حمیدہ خصائل کا جاننا تخلقوا باخلاق اللہ کے حصول کا ثمر ہوتا ہے۔

واقعات نگاری اور محاکات الفاظ سے ہوتی ہے تو حرکات و سکنات گردش و جنبش بھی ان سے خالی نہیں۔ حقیقت کا بیان فلسفی کرتا ہے تو قدرت حقیقت کو سامنے دکھا دیتی ہے۔

زاویہ نگاہ کا تعین اور نظریہ کا قائم کرنا تجربہ اور مشاہدہ ہی سے بہتر ہو سکتا ہے۔ قدرت کی فیاضی حکیم کو حکمت کے خزانے دیتی ہے تو خبیر و بصیر کا یقین باخبر اور باشعور رہنے کا داعی ہے۔

آزمائشوں میں پورے اترنے والوں کے قصوں کا بیان، کامیابی کے ثمرات سے آگاہی ہمت بڑھاتی ہے اور عمل کی محرک بنتی ہے۔ فطرت کی صناعیاں، قدرت کی کرشمہ سازیاں شاعر کے لیے احساس کا مواد لاتی ہیں تو حقیقت شناس کے لیے عرفان کے اسباب، شاعر ان کو دیکھ کر حرکت میں آجاتا ہے اور شاعر کا لقب پاتا ہے تو عارف باعمل ہو کر شرف و امتیاز حاصل کرتا ہے، باغوں کی دمک، پھولوں کی مہک شاعر کو شاعر بناتی ہے تو حظیرۃ القدس کی جھلکیاں مخلصین کے اخلاص کی شمیم انگیزیاں عارف کو مقبول اور مقرب بننے کی مددگار ہوتی ہیں۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ — ان کو خوشخبری سنائی جاتی ہے اللہ کی نعمت کی۔

کے مصداق کو دیکھنا بشارت کا مستحق بننے کا داعی ہے۔

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا — اور خوب ہے ان کی رفاقت۔

کے نمونے کو جاننا مخلص بننے کا سبب ہوتا ہے، کسی فانی مخلص کی فنائیت اور خلوص کا علم فانی مخلص کی صحبت کی تلاش اور اس کو جاننے کے شوق کا باعث ہے، یہ کرید اس تشفی کے لیے ہے

ہمواری، استقلال اور پائیداری پیش کرتے ہیں تو مشغولین کے اعمال و اطوار مداومت اور استقامت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کرنے اور بچنے کے مدود کی تعیین بچنے والوں اور کرنے والوں کے انداز کو دیکھنے اور سننے سے بھی جا سکتی ہے۔ وقت کا کون سا حصہ انمول رہا اور متحرک فعال نے اس سے کیا ثمرات حاصل کیے اس کا جاننا جس تشویق کا باعث بنے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نصیحت کی کتاب میں قصے ہوتے ہیں اور واقعات۔ آسمانی اثرات کا ذکر ہوتا ہے تو زمینی منفعت کا بیان، ہواؤں کا انداز پیش ہوتا ہے تو بادل کے نتیجے۔ یہ سب تفکرات کی دعوت ہیں اور عقل مند کے لیے نشانیاں۔ حالات اور واقعات کی طرف توجہ اور ان میں غور و خوض ذہنی بیداری اور باطنی شگفتگی کا باعث ہے۔ تو زندہ قوموں اور برگزیدہ شخصیتوں کے کردار کا مطالعہ ایسا نمونہ بننے کے لیے مؤثر، عطائے معطی اور اس کی بخششوں سے واقفیت چوکنا رہنے اور تضیع اوقات سے بچنے کا وعظ ہے تو ستودہ صفات اور حمیدہ خصائل کا جاننا تخلقوا باخلاق اللہ کے حصول کا ثمر ہوتا ہے۔

واقعات نگاری اور محاکات الفاظ سے ہوتی ہے تو حرکات و سکنات گردش و جنبش بھی ان سے خالی نہیں۔ حقیقت کا بیان فلسفی کرتا ہے تو قدرت حقیقت کو سامنے دکھا دیتی ہے۔

زاویہ نگاہ کا تعین اور نظریہ کا قائم کرنا تجربہ اور مشاہدہ ہی سے بہتر ہو سکتا ہے۔ قدرت کی فیاضی حکیم کو حکمت کے خزانے دیتی ہے تو خبیر و بصیر کا یقین باخبر اور باشعور رہنے کا داعی ہے۔

آزمائشوں میں پورے اترنے والوں کے قصوں کا بیان، کامیابی کے ثمرات سے آگاہی ہمت بڑھاتی ہے اور عمل کی محرک بنتی ہے۔ فطرت کی صناعیاں، قدرت کی کرشمہ سازیاں شاعر کے لیے احساس کا مواد لاتی ہیں تو حقیقت شناس کے لیے عرفان کے اسباب، شاعر ان کو دیکھ کر حرکت میں آجاتا ہے اور شاعر کا لقب پاتا ہے تو عارف باعمل ہو کر شرف و امتیاز حاصل کرتا ہے، باغوں کی دمک، پھولوں کی مہک شاعر کو شاعر بناتی ہے تو حظیرۃ القدس کی جھلکیاں مخلصین کے اخلاص کی شمیم انگیزیاں عارف کو مقبول اور مقرب بننے کی مددگار ہوتی ہیں۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ — ان کو خوشخبری سنائی جاتی ہے اللہ کی نعمت کی۔

کے مصداق کو دیکھنا بشارت کا مستحق بننے کا داعی ہے۔

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا — اور خوب ہے ان کی رفاقت۔

کے نمونے کو جاننا مخلص بننے کا سبب ہوتا ہے، کسی فانی مخلص کی فنائیت اور خلوص کا علم فانی مخلص کی صحبت کی تلاش اور اس کو جاننے کے شوق کا باعث ہے، یہ کرید اس تشفی کے لیے ہے

جو زندہ دلوں میں بے تابی بن کر موجزن رہتی ہے۔ ہمت والے جو یقین رکھتے ہیں کہ یہ باتیں حقیقت رہی ہیں اور رہیں گی اس علم سے پورا فائدہ حاصل کرتے ہیں، وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں کہ جیسے دو اور دو چار محض خیال نہیں ہے بلکہ ایسا بدیہی نتیجہ ہے جس کو ہر مکان و زمان میں پیش کیا، اور ثابت کیا جا سکتا ہے، باتیں خیالی بھی ہوتی ہیں اور واقعی بھی، خیالی باتوں میں پڑنے سے تضیع اوقات کے علاوہ کچھ نہیں لیکن حقیقی اور واقعی باتوں میں استغراق سمندر سے موتی لانے کے مرادف ہوتا ہے۔

پدرم سلطان بود نااہل اور بے کار کے لیے طعنہ ضرور ہے مگر یہی واقعیت ایک سپوت اور صحیح جانشین کے لیے مژدۂ کامرانی ہے، اس کا اندرونی جوش یہ جان کر کہ جس گوشت پوست سے یہ بنا ہے اسی طرح کا خمیر سلطان رہ چکا ہے اور یہ محض لاف زنی اور خیالی بات نہیں ہے۔ وہ اپنی ساری صلاحیتوں کو مردن و زیستن کی کوشش میں لگا دیتا ہے۔ زمانہ کا تقاضا ہے کہ جو کچھ کہا جائے تجربے سے ثابت کیا جائے، زمانہ انقلاب لا چکا ہے، تعطل اور بے عملی کی گنجائش نہیں۔ خون میں گرمی اور حرکت بڑھ رہی ہے۔ ہر قوم، ہر جماعت تگ و دو میں ہے سابقین کے اخلاف کو پڑے رہنے نہیں دیا جا سکتا اور کامیابیوں کے اہل کی بے عملی معاف نہیں کی جا سکتی ہے، فطرت پکار رہی ہے۔

کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

جوان کی آنکھیں کھول رہے ہیں، میدان سامنے ہے، قومیں فیصلہ کرنے کے لیے کھڑی ہوتی ہیں، دور سے روشنی آ رہی ہے، نیا دور، نیا وقت ہو کر رہے گا، ایسے وقت میں خلف اپنے سلف کی طرف مڑیں گے، وہ پہلے جاننا چاہیں گے کہ ان کے اسلاف کیا کردار رکھتے تھے، اور کیا دعوت چھوڑ گئے۔ اس مسابقت کے میدان میں زندہ دل نورانی مشعل کے طلب گار ہوں گے کہ جن سے جیتنا اور جینا ہے۔ صحیح رہنمائی کی ضرورت کا احساس جس قدر لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہا ہے، اہل حق کی ذمہ داریاں بڑھتی اور ضروری ہوتی جا رہی ہیں کہ میدان میں آئیں اور کوئی ٹھوس حقیقی پروگرام اور نمونہ پیش کریں جن پر نئے بیدار سفر شروع کریں اور ہشاش بشاش گامزن ہوں۔

زمانہ کا مطالبہ ٹھوس اور مربوط نظام حیات کا ہے۔ توہم پرستی میں پڑ کر ایک لمحہ بھی اپنا ضائع کرنا نہیں چاہتا، نظریہ کا ثبوت، ماضی کا نمونہ اور حال کا عمل ہے جو مستقبل کے لیے کامیابی کا باعث ہوتا ہے، ماضی کے قصے اگر حال کا عمل نہ پیش کر سکیں تو داستانیں ہیں۔ بے عملی بربادی ہے، اگر انسان میں احساس نہ ہو تو اس کے لیے سب کچھ بے کار ہے۔ انہیں اصولوں کے ماتحت اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیشہ نصیحت اور حکمت کے قوانین کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی نمونے بھی دنیا میں ظاہر کیے تاکہ اس زمانے کے

لوگ ان کی صحبت سے مستفیض ہوں اور یہ سلسلۂ فیضان عہد بہ عہد قائم رہے، اُن کے احوال اور واقعات کتابی شکل میں اسی لیے لائے جاتے ہیں کہ اگر وہ سامنے نہیں ہیں تو سُن کر اور جان کر ہماری بیداری بڑھے، ہر زمانے کی چیدہ شخصیتوں کے تذکرے اسی لیے ہیں اور اسی جذبہ کے ماتحت ہر جاننے والے کا فرض ہے کہ جو کچھ جانتا ہے اگرچہ وہ مخفی و پوشیدہ ہو پیش کرے۔

زندہ قوموں کی کچھ خصوصیتیں ہیں جن پر توجہ دینا ہمت کا کام ہے ان کے نزدیک محال اور مشکل بے معنی لفظ لغت کی یادگار ہے، انہوں نے اس کو سمجھا اور ہر میدان میں ثبوت دیا۔ زمین اور خلاء کا تعلق اور اس کے احاطۂ کشش سے باہر جانا ایک محال مفہوم کے لیے بلکہ ایک ناقابلِ فہم بات تھی اور مادیین کو مذہب پر ہنسنے اور مذاق بنانے کا ایک بڑا ذریعہ لیکن کوشش اور محنت کے ثمر نے آج پوری طرح ان کو تجربے کے ساتھ ثابت کر دیا، ایسے وقت میں سوال ہوتا ہے کہ ایمان اور ایمانیات کوئی ٹھوس حقیقت اور کردار ہیں تو حاملین کیا اپنی ہمت سے عاری ہونے کی بنا پر ان کو نہیں پیش کر سکتے یا یہ باتیں محض سُننے اور جاننے اور یقین کرنے ہی کی حد تک ہیں، جب محال اور ناممکن کو محقق اور واقع ثابت کیا جا سکتا ہے تو واقع اور حقیقت پر جو بڑی بڑی تفریعات اور نتائج لیے ہیں بلند حوصلگی کا تقاضہ ہے کہ ان پر ضرور کام کیا جائے اور دنیا کو دکھایا جائے کہ یہ فرسودہ اور

متوہمانہ اندازِ فکر نہیں جن کو عقیدہ کی جگہ دی گئی ہے بلکہ ایسی حقیقت ہے کہ موجودہ کرید اور تجسس نے کچھ اور قدم بڑھایا تو یہیں سے اپنی پیاس بجھا سکتی ہے، جوانو تم باہمت ہو، تم سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیوں ہی کو سر کرنے والے اور جوئے شیر کے لیے کوہ کنی ہی کے لیے نہیں، تمہاری کوششوں کا نقطۂ فلک بوس حضیض نہیں۔ بلکہ اوجِ فلک کی نہایت اس کے وراء اور وراء الوراء ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تم اپنے میں ایمان اور حقیقت کو پیش کرنے کی اہلیت نہیں پاتے ہو جب کہ دوسرے محال کو محال جانتے ہوئے کوشش کر کے حقیقت بنا رہے ہیں۔ چاند پر پہنچنے کا قصہ معلوم ہو چکا ہے۔

اعتقاد رکھنے والو! عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس وجود سے جانا، وہاں رہنا پھر واپس آنا کیا یہ خیال ہے یا ایمان کی حقیقت اس جگہ پر اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ مشاہدہ پیش کرو گے، اگر جواب نفی میں ہو تو کیا گردن جھکا کر ہٹ جانے سے جان بچ جائے گی یا زندگی اور ہمت کچھ غیرت دلائے گی دوستو! خدا کا شکر ہے کہ بے نہایت نوازشوں اور نیک انعامات سے اس نے اہل اللہ کو نوازا، مگر شہزادے کو بادشاہ کی نیابت اسی وقت ہے جب وہ بیدار اور باہمت ہو ورنہ وہ لائقِ میراثِ پدر کیوں کر ہے۔ اس مقام پر غیرت ہمت کی کشاکش اگر دونوں ہوں تو بہت کچھ لا سکتی اور دلا سکتی ہیں۔ کیا تمہارے

نزدیک نتیجۂ عمل ایک کرامت اور معجزہ ہی ہے جو شخصیتوں اور ذاتوں
کے ساتھ محدود ——— کیا اس میں سے کچھ قابلِ حصول اور قابلِ
تحصیل نہیں، مادیت اور اس کی ترقی کو مہمل اور مہلک بتانے والو کیا
روحانیت اور اس میں کوشش کی افادیت سے استفادہ کا موقع
دے سکو گے، باتوں میں وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں، اُٹھو اور
سرگرم عمل ہو جاؤ۔ دیکھو روحانیت کا باب کیسے کھلتا ہے، اور وہاں
کا نگراں تمہارے لیے کیا تحفے لیے منتظر ہے، مادیت پر روحانیت
کا تفوق باتوں ہی سے ظاہر کرو گے یا آگ کے سامنے پانی کا سمندر پیش
کرو گے، کیا تمہاری کوششوں کا میدان باتیں ہوں گی جن کو سُن سُنا کر
تم سو جاؤ گے اور غافل ہو جاؤ گے یا وہ کوششیں ہوں گی جو تم میں گرمی
اور جوشِ عمل اور نتیجہ پیش کر سکیں گی، تمہاری ہی صفت کم سونے والے،
جگنے اور ہمیشہ بیدار رہنے کی رہی ہے، تم ہی عمل کا انجام آخرت
کی راحت جانتے رہے ہو، تم ہی پیکرِ عمل رہے ہو، تا نفس با قیست
راہِ زندگی ہموار نیست تمہارا ہی شیوہ رہا ہے، ایسے حالات میں تم کیا جواب
دو گے جب کوئی ان کے ثبوت مانگے۔

اہلِ حق کے کارنامے تمہاری بیداری کے لیے نشانات چھوڑ گئے
ہیں یا ان کا تقدس و احترام سننے اور سر دُھننے ہی کے لیے ہے، تمہاری
ہمت اور حوصلے سے اگر کوئی اشارہ ملے تو تمہاری طرف آس لگانے
والوں اور تم پر کام کی تکمیل چھوڑ کر چلے جانے والوں کو جرأت ہو سکے

گی کہ وہ ان کا جواب اثبات میں دیں۔ وہ جا چکے ہیں مگر کیا تم ان کو اپنے
سے مایوس کر دو گے، ان کی پکار اور للکار تم کو جگنے اور جگانے والا نہ
بنا سکے گی، تم اسی طرح جمود و خمود میں مبتلا رہو گے یا ہمت اور جسارت
سے اپنے اسلاف کے کارناموں کو روشن کرو گے، پیاسی دُنیا
کے لیے اگر تم سامان بن نہ سکے تو ممکن ہے کہ سسک کر رہ جائے
اور چشمۂ حیات تک پہنچ کر پانی نہ دینے والوں کا شکوہ ان کی کم یابی بلکہ
نایابی پر حسرت کر کے آخری سانس لے لے۔ جس طرح حیات کے
چشمہ کی پاسبانی تمہارا ہی فریضہ ہے، اس کا کھولنا، دنیا کو آشنا
اور سیراب کرنا بھی تمہارا ہی بڑا کارنامہ ہے، غافل رہو گے یا ہوشیار
جاگو گے تو کب؟ سرد اور نرم جھونکوں کا وقت گزر چکا، ہوشیار اسی وقت
اُٹھتے ہیں اور ان سے پورا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جھنجھوڑ کا وقت
آ گیا ہے بلکہ وہ بھی گزرا جا رہا ہے، کیا صور کی پھونک ہی تم کو اٹھائے
گی اور حشر کے میدان میں غافلین کے ساتھ اُٹھو گے، آثارِ قدیمہ کی
حفاظت کے قوانین حکومتوں کے نزدیک مسلّم اور ان کی نگرانی اہم اور
ضروری ہے، یہ کس لیے؟ کیا کھنڈرات اور اُن کے نقشے کی یاد تازہ
رکھنا ہے یا کوئی مثبت سبق ہیں جن سے باعبرت سبق لیتا ہے، اور
ہوشیار رہتا ہے، رے اور بخارا کی بربادی کس کے سامنے ماتم
کرے، قیروان اور قرطبہ کے کھنڈرات کس کے سامنے روئیں، ہم
اپنی بے بال و پری کا شکوہ کب تک سُنائیں گے، اُپولو

کا حملہ باز کامیاب ہو کر ہم پر کب تک خندہ زن رہے گا، کیا حملہ باز کی
چبھتی ہوئی مسکراہٹ، کھنڈرات کی بے یاری کے رونے اور ان کی
بے بسی کے ماتم سے تمہارے دل میں درد، ٹیس اور بے تابی نہیں پیدا
ہوتی؟ معراج کے قصے، قوسین کے تذکرے، ادنیٰ کا مقام، سدرۃ
المنتہیٰ اور اسی طرح کے اعلیٰ مضامین کی فہم سے کہاں تک بے بہری اور
بے توجہی رہے گی، خانقاہوں کی غیر آبادی، مدرسوں کی بے کسی، مکاتب
کی خستگی کب تک سنی دیکھی اور جانی جائے گی، کس وقت کا انتظار ہے
اور کس سامان کی ضرورت۔

اسلاف نے الحاد اور مادہ پرستی کی طوفانی ہواؤں اور باطل پرستی
کے برق و باد کے سخت جھونکوں میں دین کے چراغ کو جس ہمت سے
بچا کر ہم تک پہنچایا اس کی جزا اللہ تعالیٰ ان کو دے، چکور اور شہباز
تو نہیں بلکہ بے جان اور بے پر مشینیں بھی اوج بلکہ بالائے اوج پہنچ
رہی ہیں تو کیا ملاء اعلیٰ کی ہدایت بتانے والے، مجردات اور عقول کی
باتیں کرنے والے نوری اور ناری سے بڑھ کر خلافت کے صحیح جانشین
اپنی ذمہ داری کو بھولے رہیں گے۔ ہماری سعادت کا تقاضا ہے
کہ اس ٹمٹماہٹ سے جگمگاہٹ پیدا کریں، ہواؤں کا رخ پلٹیں اور
برق و باد کو صحیح راہ پر لگا دیں تمہارے ظاہری راڈر (Radar) کی
جگمگاہٹ کو جو ایک مادی ہے مقابل کی قوتیں تیرہ و تار کر دیتی ہیں،
اور وہ اس بنا پر کہ وہ اس میدان کے شاہ رو

ہیں اور مادیت میں اپنی کوشش کی بنا پر تفوق رکھتے ہیں، سوچو، کیا
تمہارے پاس روحانی بھی کوئی ایسا مستحکم راڈر (Radar) ہے۔
جس کی مقابل کو نہ خبر ہے نہ اس تک رسائی، مگر عزیز وکیا وہ زنگ آلود اور
بے اثر ہو گیا ہے یَا سَارِیَ الْجَبَلَ الْجَبَلَ کی پکار مدینہ
منورہ سے تنبیہ دشمن کے پہاڑ کے پیچھے سے لشکر پر حملہ کرنے
سے سپہ سالار کو باخبر رکھ گئی، یہ باشعور روشنی کا آلہ بھی تمہارا کوئی چھین لے
گیا یا تم نے ضائع کر دیا یا اس کی طرف تمہاری توجہ نہیں، ہمت تو نحن
رجالٌ وھم رجال بتاتی ہے، جس طرح نادیین دو ہاتھ رکھتے ہیں
ہدایت میں ہم ان سے کیسے کمزور ہو سکتے، درِ خیبر کو اکھاڑ پھینکنا اور بے پناہ
لشکروں کا سر کرنا فتح مبین کی بشارت، اطمینانِ قلب کا مژدہ یہ سب
کس کے لیے رہے یہ کیوں چھنا، اس سے کیوں محرومی ہوئی، کیا ہمارے
کردار کے نتیجے اور بے عملی کے باعث یا کوئی اور بات ہے۔ یقین
ہے کہ عادل مہربان خالق کی طرف سے فیضان سے محرومی بلا وجہ نہیں
ہوئی، غیرتِ حق کو ہمیشہ حرکت رہتی ہے اور ہے، ابرِ رحمت جس طرح
تپتی اور دہکتی سرزمین پر بوقبیس کی جانب، فیاضانہ اور دائمی عنایت
لے کر بڑھا اور فاران کی چوٹیوں سے جو نور چمکا اور جلمگایا اور الحمد للہ
کہ وہ اتنا ہم تک پہنچا اور اب تک ملتا رہتا ہے کیا اس کے شکریہ کا
انداز غفلت اور بے عملی ہو گا، یا رگ و ریشہ بلکہ ہر بال کے سو سو زبانیں
ہوں تو شکر کی انجام دہی نہ ہو سکے گی، اس روحانی میدان

کا خلا باز کامیاب ہو کر ہم پر کب تک خندہ زن رہے گا، کیا خلا باز کی چمکتی ہوئی مسکراہٹ، کھنڈرات کی بے یاری کے رونے اور ان کی بے بسی کے ماتم سے تمہارے دل میں درد، ٹیس اور بے تابی نہیں پیدا ہوتی۔ معراج کے قصے، قوسین کے تذکرے، ادنیٰ کا مقام، سدرۃ المنتہیٰ اور اسی طرح کے اعلیٰ مضامین کی فہم سے کہاں تک بے بہری اور بے توجہی رہے گی، خانقاہوں کی غیر آبادی، مدرسوں کی بے کسی، مکاتب کی خستگی کب تک سنی دیکھی اور جانی جائے گی، کس وقت کا انتظار ہے اور کس سامان کی ضرورت۔

اسلاف نے الحاد اور مادہ پرستی کی طوفانی ہواؤں اور باطل پرستی کے برق و باد کے سخت جھونکوں میں دین کے چراغ کو جس ہمت سے بچا کر ہم تک پہنچایا اس کی جزا اللہ تعالیٰ ان کو دے، چکور اور شہباز ہی نہیں بلکہ بے جان اور بے پر مشینیں بھی اوج بلکہ بالائے اوج پہنچ رہی ہیں تو کیا ملاء اعلیٰ کی ہدایت بتانے والے، مجردات اور عقول کی باتیں کرنے والے نوری اور ناری سے بڑھ کر خلافت کے صحیح جانشین اپنی ذمہ داری کو بھولے رہیں گے۔ ہماری سعادت کا تقاضا ہے کہ اس ٹمٹماہٹ سے جگمگاہٹ پیدا کریں، ہواؤں کا رخ پلٹیں اور برق و باد کو صحیح راہ پر لگا دیں تمہارے ظاہری راڈر (Radar) کی جگمگاہٹ کو جو ایک مادی ہے مقابل کی قوتیں تیرہ و تار کر دیتی ہیں، اور وہ اس بناء پر کہ وہ اس میدان کے شاہ رو

ہیں اور مادیت میں اپنی کوشش کی بنا پر تفوق رکھتے ہیں، سوچو، کیا تمہارے پاس روحانی بھی کوئی ایسا مستحکم راڈر (Radar) ہے۔ جس کی مقابل کو نہ خبر ہے نہ اس تک رسائی، مگر عزیز و کیا وہ زنگ آلود اور بے اثر ہو گیا ہے یَا سَارِیَ الْجَبَلَ الْجَبَلَ کی پکار مدینہ منورہ سے تنبیہ دشمن کے پہاڑ کے پیچھے سے لشکر پر حملہ کرنے سے سپہ سالار کو باخبر رکھ گئی، یہ باشعور روشنی کا آلہ بھی تمہارا کوئی چھین لے گیا یا تم نے ضائع کر دیا یا اس کی طرف تمہاری توجہ نہیں، ہمت تو نحن رجالٌ وھم رجال بتاتی ہے، جس طرح نادیین دو ہاتھ رکھتے ہیں ہدایت میں ہم ان سے کیسے کمزور ہو سکتے، در خیبر کو اکھاڑ پھینکنا اور بے پناہ لشکروں کا سر کرنا فتح مبین کی بشارت، اطمینانِ قلب کا مژدہ یہ سب کس کے لیے رہے یہ کیوں چھنا، اس سے کیوں محرومی ہوئی، کیا ہمارے کردار کے نتیجے اور بے عملی کے باعث یا کوئی اور بات ہے۔ یقین ہے کہ عادل مہربان خالق کی طرف سے فیضان سے محرومی بلا وجہ نہیں ہوئی، غیرتِ حق کو ہمیشہ حرکت رہتی ہے اور ہے، ابرِ رحمت جس طرح تپتی اور دہکتی سرزمین پر بوقبیس کی جانب فیاضانہ اور دائمی عنایت لے کر بڑھا اور فاران کی چوٹیوں سے جو نور چمکا اور جگمگایا اور الحمد للہ کہ ورا تنا ہم تک پہنچا اور اب تک ملتا رہتا ہے کیا اس کے شکریہ کا انداز غفلت اور بے عملی ہو گا یا رگ و ریشہ بلکہ ہر بال کے سو سو زبانیں ہوں تو شکر کی انجام دہی نہ ہو سکے گی، اس روحانی میدان

کے تم ایسے رہ رہو۔ اس میں کوئی مقابل نہیں اور یہ تمہارا ہی طرہ امتیاز ہے، مگر دستو اور عزیزو خالی سننے سے کام نہیں، تعلقے پر بیدار ہو جاؤ اور کچھ کر کے سپوت بنو تم یہ نہ سمجھو کہ بے کار ہو یا تمہیں بے کار پیدا کیا گیا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا	کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی (مہمل) پیدا کر دیا ہے۔
اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى	کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

عکس تحریر حضرت مرشدنا رحمۃ اللہ علیہ

فرزند اکرم سلمہ

سلمہ۔ آزاد صاحب پروگرام آباد ہے
جب تک اکیاعت خصوصیں کا علیں کی پیدا ہو
یہ پروگرام کامیاب ہو سکتا گو سنہ تجارب کی بنا پر
سمجھ کر دوسرے اہل علم اہل فن خوش حال
کی ضرورت ہے۔ ناقصین سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔
آپ کو سمجھ کر اسکا خوب بلکہ دیکھا فقط

میری علی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنَ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو عالموں کا پالنے والا ہے اور اچھا نتیجہ پرہیزگاروں کے لیے ہے اور رحمت وسلامتی ہو اس کے رسول محمدؐ پر اور ان کی آل پر ان کے اصحاب پر اور ان کے تمام پیروی کرنے والوں پر قیامت تک۔

اَمَّا بَعۡدُ:

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ۔

اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری فرما دے۔

حضرت مرشدناؒ جن کے تذکرے کی ابتداء ہونے والی ہے۔ اس دارِ فانی میں تقریباً ستاسی ۸۷ اٹھاسی برس رہ کر ہر طرح کے پیچ وخم سے واقف ہو کر دوسروں کو باخبر کر کے زمانہ کی ہر تلخ وشیریں اُفتاد سے گزر کر دوسروں کو آسانی کے ساتھ گزار کر ۱۹۵۹ء کا ستمبر کا مہینہ تھا جب اس دارِ فانی سے رُخصت ہو کر واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کی زندگی ایک سہل ممتنع زندگی کا نمونہ رہی۔ مصلحین اور ہادیوں کے لیے اپنے وطن سے بیشتر ہجرت کرنا پڑتی اور کسی دوسرے مرکز سے کام کو جاری

رکھنا ہوتا۔ حضرت مرشدناؒ بھی گو بظاہر وطن ہی میں اپنوں کے ساتھ رہے لیکن بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں کا مصداق ——— گوشہ نشینوں کی وراثت بن کر ہنگامے سے الگ، گو دنیاوی مشغولیتیں لازمی طور پر تعلقات ناگزیر کراتی ہیں مگر ہر چیز اپنی حد اور اپنے وقت تک محدود رہتی۔ ان کا تعلق باطن سے نہ ہوتا۔ ظاہری مشغولیت اور ظاہر سے لگاؤ محض ظاہری برتنا برتانا تھا۔ اگرچہ ظاہر بیں نگاہیں اس ظاہری ادائگی کو دیکھ کر سمجھتیں اور جانتیں کہ شاید زندگی کا مقصود بالذات یہی ظاہر ہی ہے۔ دنیاوی مشغولیتوں کے ضوابط اور قوانین دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوتا کہ یہ ظاہری اشغال ہی کے لوگ ہیں مگر ظاہر ایک حجاب تھا جس سے ظاہر بین دھوکے بھی کھا جاتے ورنہ حقیقت وہی تھی جس کے لیے باطن کا وجود تھا اور جس کے لیے عالم کی تخلیق ہے تجربہ شاہد ہے کہ جب دُنیا کے معاصرین انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کو نہ بخشتے اولیاء بھی ان کے نشانے سے محفوظ نہ رہتے۔ ایسے ماحول میں اگر کوئی انسان اتنی لمبی مدت احترام اور تقدس کے ساتھ گزار دے اور اپنے دوام اور استحکام کو ہمہ احوال قائم و دائم رکھ سکے تو یہ اس کی بڑی کرامت اور بڑا اعزاز ہے، حضرت مرشدناؒ اپنے عمل پیکری اور خدمت شعاری کے جذبہ کے ساتھ صبح وشام، رات دن، گرمی سردی، غرض ہر حال اور کیفیت میں اپنے نقطۂ امتیاز پر قائم رہے ممکن ہے دوسری

جانب سے تیر و تبر ہوں مگر اپنی طرف سے ہمیشہ دُعائیں اور محبت پیش ہوتی۔ اہل اللہ کے ساتھ عوام کا استہزاء و تمسخر مشہور ہے، اور نہ سُننا، نہ ماننا ہمیشہ کی عادت ہے مگر رحمت ہی کے مجسّمے ان احوال میں رحمت بنے دُعائیں دیتے بہی خواہی کرتے چلے جاتے گو دوسری طرف سے کچھ بھی برتاؤ ہو، حضرت مرشدناؒ کی زندگی ایک دیہات کی زندگی تھی۔ دیہات کی خصوصیات معلوم ہیں۔ لیکن صدہا تہذیب اور تمدّن آپ پر فدا، آپ کی شائستگی اور شہریت ایک ایسے مقام پر جو اسٹیشن تک سے پانچ چھ میل دوری پر ہو۔ جہاں نہ کوئی علمی چرچا اور نہ کوئی مجلس، مگر حضرت مرشدناؒ کا وجودِ گرامی ساری خوبیوں کا مرکز تھا، علم بھی تھا اور زہد بھی۔ حضارت بھی تھی نضارت بھی۔ باطنی تعلیم کے لیے خانقاہ بھی تھی اور ظاہری تجربہ اور مشاہدہ کے لیے مدرسہ بھی۔ غرض زندگی کے اوقات، کردار، گفتار اور اطوار کی خوبیوں اور بلندیوں سے گزرے زبان پر بار بار آتا ہے۔

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

اور اللہ مخصوص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت مرشدناؒ کی سوانح حیات، احوال، مسائل اور دیگر ضروری باتوں کے ساتھ پیش ہے۔ ممکن ہے فروگذاشتیں ملیں اس کو

لکھنے والے کے سہو پر محمول کرنا چاہیئے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مسائل سلجھائے جائیں اور بات سامنے متفق ہو، اختلافی مسائل میں ہر دو کے احترام کا خیال رکھا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ حقائق سے مستفیض ہونے کا موقع دے اور غلطی سے محفوظ رکھے، لوگ کوشش کریں کہ اس سے بیش از بیش مستفیض ہوں، مسائل کے سمجھنے کی کوشش کریں اور ہر طرح عملی نمونہ بنیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

باب اوّل

حالاتِ زندگی

نام و نسب:

آپ کا نام حامد حسن اور والد ماجد کا نام شیخ کریم بخش تھا۔ آپ کی پیدائش ۷۲-۱۸۷۱ء میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں کوہنڈہ میں ہوئی۔ سلسلہ نسب کاکوری کے علوئین سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کے والد ماجد حضرت شیخ نجابت علی شاہؒ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت تھے۔ وہ کوہنڈہ تشریف لاتے رہتے تھے۔ وہیں آپ کا وصال ہوا (۸۹-۱۸۸۸ء) کھلیان میں اینٹ سے گھرا ہوا مزار آپ ہی کا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا مزار احاطہ کے مغربی جانب ہے، آپ جب چھوٹے تھے تو والد بزرگوار نے حضرت شیخ نجابت علی شاہؒ کی خدمت میں پیش کیا شیخ نے دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ آپ کے لڑکے ہیں، والد صاحب نے فرمایا جی ہاں۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کو پڑھانا مت۔ تعلیم سے ممانعت کا حکم ممکن ہے کسی آیندہ مژدہ کی تعبیر

ہو جو اُمیین کو حاصل ہوتی ہے یا اس وقت کی مروجہ تعلیم یا حضرتِ والا کی باطنی صلاحیتوں کا شیخ پر ظہور کہ بسا اوقات غلط تعلیم و تربیت مستقبل کی شادابی اور بہار کو ختم کر دیتی ہے یا آیندہ جو شگفتگی اور شادابی آنے والی ہوتی ہے اس پر حجاب بن جاتی ہے غرض جو وجہ بھی ہو حضرت کریم بخشؒ کے لیے شیخ کا ارشاد واجب العمل رہا اور حضرت قبلہ حامد حسنؒ کی باوجود پوری کوشش اور اہلیت کے والد صاحب کی توجہ تعلیم کی طرف زیادہ نہ رہی۔ اسی بنا پر حضرت قبلہ کی ظاہری تعلیم عربی میں ہدایت النحو، باب مرفوعات تک ہی رہی۔ خط بہت صاف ستھرا اور نستعلیق ہوتا تھا۔ آپ قرآن شریف کے جید حافظ تھے اور لوگ بڑے حافظ جی ہی سے موسوم کرتے تھے۔

والد ماجد کی حضرت سید عبدالباری شاہ سے پہلی ملاقات

آپ کے والد صاحب کا خاندانی پیشہ زراعت تھا لیکن چونکہ [illegible] میں ملازم تھے اس لیے کھیتی خود نہیں کرتے تھے۔ سال میں برما کے علاقے میں سروے کے لیے جانا پڑتا تھا۔ اسی سفر میں جاتے ہوئے مختلف [illegible] سے جہاں آپ کے متوسلین اور جاننے والے ہوتے گزرے۔ ایک دفعہ حضرت میاں کریم بخشؒ ایسے ہی سفر میں تھے، ہگلی میں مرزا نیاز علی صاحب کے یہاں جو حضرت سید عبدالباری شاہ کے جاننے والے تھے قیام تھا۔ ان کو حضرت سید صاحب کے تجسس

کا علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سیّد صاحبؒ ایک جگہ بیعت ہو چکنے کے بعد صحیح تعلیم اور اس کے حال کے متلاشی تھے۔ اس ہمدردی میں میاں کے پہنچنے کی خبر سیّد صاحبؒ کو کرائی۔ سیّد صاحبؒ خوشی خوشی آئے اور میاں سے ملاقات کی۔ فرمایا کہ اللہ کے واسطے مجھے کچھ بتائیے۔ میاں نے دستور کے مطابق جواب دیا پہلے مُرید ہو جائیے تو پھر بتائیں۔ حضرت سیّد صاحبؒ چونکہ ہر مسئلے میں اصلاحی اور انقلابی رنگ رکھتے تھے فرمایا مجھے بتائیے اور بلا بیعت تعلیم پر اصرار کیا۔ آخر میں میاں نے پاس انفاس کا طریقہ بتا دیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے سیّد صاحبؒ کو ذکرِ قلب کا اثر محسوس ہونے لگا۔ صبح خوشی خوشی جا کر مرید ہو گئے۔ میاں نے ذکر کا طریقہ تلقین فرمایا۔ حضرت سیّد صاحبؒ کی میاں سے یہ پہلی ملاقات تھی۔

دوسری ملاقات:

میاں کریم بخشؒ اپنے کام پر آتے جاتے رہے۔ کئی سال بعد ایک مرتبہ سیّد صاحبؒ کی ملاقات یاد آ گئی۔ میزبان سے حال دریافت کیا۔ میزبان نے حضرت سیّد صاحب کو خبر دی۔ خبر پاتے ہی حضرت سیّد صاحبؒ ملاقات کے لیے آئے۔ ہمدم دیرینہ کی ملاقات مسیحا خضر کی ملاقات سے کم نہ تھی۔ بڑے شوق اور محبت کا مظاہرہ ہوا۔ بے تابانہ ایک دوسرے سے احوال و حالات پوچھنے میں مشغول رہے۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے کچھ احوال بیان کیے،

میاں کو اندازہ ہوا کہ یہ تو انمول ہیرہ ہاتھ آیا جس کو غنیمت جانا اور اپنے فرزند ارجمند بلکہ اہل و عیال کے مستفید ہونے کے موقع کی سوچ میں پڑ گئے۔

معلّمی کا شغل:

حضرت مرشدنا نے بچپن کے دن ختم کر کے ذمہ داری کے میدان میں قدم رکھا۔ تعلیم ظاہری ختم ہو چکی تھی۔ خانگی ذمہ داریاں بڑھ رہی تھیں۔ والدِ محترم ولی اور قانع تھے۔ والدہ محترمہ بھی جو شیخ نجابت علی رحؒ کی مریدہ تھیں۔ دنیا کی طلب نہیں رکھتی تھیں۔ زندگی میں تنگی ناگزیر تھی۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت مرشدناؒ نے گاؤں میں لڑکوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا۔

پیر و مرشد کی خدمت میں باریابی:

آپ کے والد صاحب جب اپنے دورہ سے واپس ہوئے تو حضرت سیّد عبدالباری شاہؒ کو بھی ساتھ لیتے آئے اور اس اکسیر گر کے حوالے کبریت احمر یعنی مرشدناؒ کو کر دیا۔ حقیقت شناس نگاہ جب صلاحیت اور اہلیت پر پڑی تو لعل دیا قوت بنانے کے لیے باطن کو گرما گئی۔ جگمگاتے ہوئے چہرے اور دمکتے ہوئے رنگ نے دوستوں کو متوجہ کیا۔ مولانا عبدالصمد صاحب مرشدناؒ کے خاص دوستوں میں با اہلیت شخص تھے، مرشدناؒ کی وارفتگی اور مرشد پر فدائیت دیکھ کر پوچھنے لگے کیا کوئی بڑی حقیقت ہے۔ جو آپ پا رہے ہیں یا

کا علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سید صاحبؒ ایک جگہ بیعت ہو چکنے کے بعد صحیح تعلیم اور اس کے حامل کے متلاشی تھے۔ اس ہمدردی میں میاں کے پہنچنے کی خبر سید صاحبؒ کو کرائی۔ سید صاحبؒ خوشی خوشی آئے اور میاں سے ملاقات کی۔ فرمایا کہ اللہ کے واسطے مجھے کچھ بتائیے۔ میاں نے دستور کے مطابق جواب دیا پہلے مُرید ہو جائیے تو پھر بتائیں۔ حضرت سید صاحبؒ چونکہ ہر مسئلے میں اصلاحی اور انقلابی رنگ رکھتے تھے فرمایا مجھے بتائیے اور بلا بیعت تعلیم پر اصرار کیا۔ آخر میں میاں نے پاس انفاس کا طریقہ بتا دیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے سید صاحبؒ کو ذکرِ قلب کا اثر محسوس ہونے لگا۔ صبح خوشی خوشی جا کر مرید ہو گئے۔ میاں نے ذکر کا طریقہ تلقین فرمایا۔ حضرت سید صاحبؒ کی میاں سے یہ پہلی ملاقات تھی۔

دوسری ملاقات:

میاں کریم بخشؒ اپنے کام پر آتے جاتے رہے۔ کئی سال بعد ایک مرتبہ سید صاحبؒ کی ملاقات یاد آ گئی۔ میزبان سے حال دریافت کیا۔ میزبان نے حضرت سید صاحب کو خبر دی۔ خبر پاتے ہی حضرت سید صاحبؒ ملاقات کے لیے آئے۔ ہمدم دیرینہ کی ملاقات سیماب خضر کی ملاقات سے کم نہ تھی۔ بڑے شوق اور محبت کا مظاہرہ ہوا۔ بے تابانہ ایک دوسرے سے احوال و حالات پوچھنے میں مشغول رہے۔ سید صاحبؒ نے اپنے کچھ احوال بیان کیے،

میاں کو اندازہ ہوا کہ یہ تو انمول ہیرہ ہاتھ آیا جس کو غنیمت جانا اور اپنے فرزند ارجمند بلکہ اہل و عیال کے مستفید ہونے کے موقع کی سوچ میں پڑ گئے۔

معلّمی کا شغل:

حضرت مرشدنا نے بچپن کے دن ختم کر کے ذمہ داری کے میدان میں قدم رکھا۔ تعلیم ظاہری ختم ہو چکی تھی۔ خانگی ذمہ داریاں بڑھ رہی تھیں۔ والدِ محترم ولی اور قانع تھے۔ والدہ محترمہ بھی جو شیخ نجابت علی رح کی مریدہ تھیں۔ دنیا کی طلب نہیں رکھتی تھیں۔ زندگی میں تنگی ناگزیر تھی۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت مرشدناؒ نے گاؤں میں لڑکوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا۔

پیر و مرشد کی خدمت میں باریابی:

آپ کے والد صاحب جب اپنے دورہ سے واپس ہوئے تو حضرت سید عبدالباری شاہؒ کو بھی ساتھ لیتے آئے اور اس اکسیر گر کے حوالے کبریت احمر یعنی مرشدناؒ کو کر دیا۔ حقیقت شناس نگاہ جب صلاحیت اور اہلیت پر پڑی تو لعل دیا قوت بنانے کے لیے باطن کو گرما گئی۔ جگمگاتے ہوئے چہرے اور دمکتے ہوئے رنگ نے دوستوں کو متوجہ کیا۔ مولانا عبدالصمد صاحب مرشدناؒ کے خاص دوستوں میں با اہلیت شخص تھے، مرشدناؒ کی وارفتگی اور مرشد پر فدائیت دیکھ کر پوچھنے لگے کیا کوئی بڑی حقیقت ہے جو آپ پا رہے ہیں یا

کا علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سیّد صاحبؒ ایک جگہ بیعت ہو چکنے کے بعد صحیح تعلیم اور اس کے حامل کے متلاشی تھے۔ اس ہمدردی میں میاں کے پہنچنے کی خبر سیّد صاحبؒ کو کرائی۔ سیّد صاحبؒ خوشی خوشی آئے اور میاں سے ملاقات کی۔ فرمایا کہ اللہ کے واسطے مجھے کچھ بتائیے۔ میاں نے دستور کے مطابق جواب دیا پہلے مُرید ہو جائیے تو پھر بتائیں۔ حضرت سیّد صاحبؒ چونکہ ہر مسئلے میں اصلاحی اور انقلابی رنگ رکھتے تھے فرمایا مجھے بتائیے اور بلا بیعت تعلیم پر اصرار کیا۔ آخر میں میاں نے پاس انفاس کا طریقہ بتا دیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے سیّد صاحبؒ کو ذکرِ قلب کا اثر محسوس ہونے لگا۔ صبح خوشی خوشی جا کر مرید ہو گئے۔ میاں نے ذکر کا طریقہ تلقین فرمایا۔ حضرت سیّد صاحبؒ کی میاں سے یہ پہلی ملاقات تھی۔

دوسری ملاقات:

میاں کریم بخشؒ اپنے کام پر آتے جاتے رہے۔ کئی سال بعد ایک مرتبہ سیّد صاحبؒ کی ملاقات یاد آ گئی۔ میزبان سے حال دریافت کیا۔ میزبان نے حضرت سیّد صاحب کو خبر دی۔ خبر پاتے ہی حضرت سیّد صاحبؒ ملاقات کے لیے آئے۔ ہمدم دیرینہ کی ملاقات سیحاد خضر کی ملاقات سے کم نہ تھی۔ بڑے شوق اور محبت کا مظاہرہ ہوا۔ بے تابانہ ایک دوسرے سے احوال و حالات پوچھنے میں مشغول رہے۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے کچھ احوال بیان کیے،

میاں کو اندازہ ہوا کہ یہ تو انمول ہیرہ ہاتھ آیا جس کو غنیمت جانا اور اپنے فرزند ارجمند بلکہ اہل و عیال کے مستفید ہونے کے موقع کی سوچ میں پڑ گئے۔

معلّمی کا شغل:

حضرت مرشدنا نے بچپن کے دن ختم کر کے ذمہ داری کے میدان میں قدم رکھا۔ تعلیم ظاہری ختم ہو چکی تھی۔ خانگی ذمہ داریاں بڑھ رہی تھیں۔ والدِ محترم ولی اور قانع تھے۔ والدہ محترمہ بھی جو شیخ نجابت علی رح کی مریدہ تھیں۔ دنیا کی طلب نہیں رکھتی تھیں۔ زندگی میں تنگی ناگزیر تھی۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت مرشدناؒ نے گاؤں میں لڑکوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا۔

پیر و مرشد کی خدمت میں باریابی:

آپ کے والد صاحب جب اپنے دورہ سے واپس ہوئے تو حضرت سیّد عبدالباری شاہؒ کو بھی ساتھ لیتے آئے اور اس اکسیر گر کے حوالے کبریت احمر یعنی مرشدناؒ کو کر دیا۔ حقیقت شناس نگاہ جب صلاحیت اور اہلیت پر پڑی تو لعل دیا قوت بنانے کے لیے باطن کو گرما گئی۔ جگمگاتے ہوئے چہرے اور دمکتے ہوئے رنگ نے دوستوں کو متوجہ کیا۔ مولانا عبدالصمد صاحب مرشدناؒ کے خاص دوستوں میں با اہلیت شخص تھے، مرشدناؒ کی وارفتگی اور مرشد پر فدائیت دیکھ کر پوچھنے لگے کیا کوئی بڑی حقیقت ہے۔ جو آپ پا رہے ہیں یا

محض خیال ہے جس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ حضرت مرشدناؒ نے بتایا کہ وہ جوہر ہے جو بڑی قسمت سے ہاتھ آیا ہے اور باپ کا بڑا احسان ہے جو ہم سے ملایا ورنہ میں کہاں اور کہاں یہ آفتاب میری کیا مجال کہ اس کی شرح کروں ؎

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست

یہ وہ ہیں جن سے ویرانے دل میں آبادی دکھائی دیتی ہے، درد کی دوا ہوتی ہے اور زخم کا مرہم ملتا ہے۔ اس سے زیادہ وقت نہ ضائع کیا جائے بلکہ خوش نصیبی جان کر پورا استفادہ کریں۔ مولانا بھی شریکِ درس ہو گئے حضرت سید صاحبؒ سے یہ دونوں ماہ و انجم کی طرح روشنی حاصل کرنے میں لگ گئے۔

کھیتی کا مشغلہ:

میاں صاحب پوری طرح کھیتی کا کام انجام نہ دے سکتے تھے۔ اس لیے خانگی حالات بہت اچھے نہ تھے۔ تنگی سے زندگی گزرتی اس لیے حضرت مرشدناؒ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے ساتھ دینی دنیاوی دونوں میدانوں میں پوری ذمہ داری ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے، آپ نے کھیتی کا شغل اپنانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں سے پوچھتے تو لوگ ہنستے کیونکہ پیر اور پیرزادے کھیتی کریں اور محنت سے کمائیں یہ عام تخیل سے بالا ہے، لوگوں کا استعجاب بڑھتا رہا اور حیرت زیادہ ہوتی گئی حضرت مرشدنا پہلے سال پوچھ پوچھ کر کامیاب رہے۔ حضرت مرشدنا کی فطرت میں تقلید بے جا نہ تھی بلکہ نشان پانے اور علامات سے حالات پہچاننے کی پوری صلاحیت کے باعث دوسرے سال خود اور

غور کر کر کے انجام دیتے، دوسروں سے پوچھنے کی زیادہ ضرورت نہ پڑی اور اس طرح کامیابی رہی تیسرے سال اپنی عارفانہ صلاحیت کی بنا پر کھیتی کے جان کار ہو گئے اور دنیاوی کاموں میں بھی امامت کے مستحق بنے لوگ آتے اور پوچھتے آپ فرماتے کوئی مسلمہ قاعدہ نہیں بلکہ حالات کو دیکھنے اور کھیت پر جانے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے کرتا ہوں، ضروری سمجھیں تو آپ بھی وہی کریں۔ اس طرح دنیا کے کام میں بھی ایک بلند مقام پر فائز ہوئے۔ لیکن دُنیاوی مشغولیتیں دینی انہماک میں حارج نہ ہو سکیں۔ ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا کا خیال واقعہ میں ظاہر ہو گیا۔

مرشد پر فدائیت:

حضرت سید صاحبؒ سے جس حد تک فریفتگی اور محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے کو ان کے سامنے فانی بلکہ نیست سمجھتے تھے۔ سید صاحبؒ کی سوانح حیات چھپنے کے بعد خیال ہوا کہ حضرت کے واقعات زندگی بھی مرتب کیے جائیں۔ پوچھا گیا تو سخت لہجہ میں فرمایا میرے کچھ حالات نہیں، جو کچھ ہیں سید صاحبؒ ہی کے ہیں۔ اس طرح یک درگیر و محکم گیر پر قائم رہے۔ فرماتے تھے کہ ائمہ طرق حضرت اجمیریؒ اور بڑے پیر صاحب اور دیگر برگزیدہ ہستیوں کے ذکر کے بعد یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا۔ حضرت سید صاحبؒ

محض خیال ہے جس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ حضرت مرشدنا نے بتایا کہ وہ جوہر ہے جو بڑی قسمت سے ہاتھ آیا ہے اور باپ کا بڑا احسان ہے جو ہم سے ملایا ورنہ ہمیں کہاں اور کہاں یہ آفتاب میری کیا مجال کہ اس کی شرح کروں ؎

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست

یہ وہ ہیں جن سے ویرانے دل میں آبادی دکھائی دیتی ہے، درد کی دوا ہوتی ہے اور زخم کا مرہم ملتا ہے۔ اس سے زیادہ وقت نہ ضائع کیا جائے بلکہ خوش نصیبی جان کر پورا استفادہ کریں۔ مولانا بھی شریکِ درس ہو گئے حضرت سید صاحبؒ سے یہ دونوں ماہ و انجم کی طرح روشنی حاصل کرنے میں لگ گئے۔

کھیتی کا مشغلہ:

میاں صاحب پوری طرح کھیتی کا کام انجام نہ دے سکتے تھے۔ اس لیے خانگی حالات بہت اچھے نہ تھے۔ تنگی سے زندگی گزرتی اس لیے حضرت مرشدنا اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے ساتھ دینی دنیاوی دونوں میدانوں میں پوری ذمہ داری ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے، آپ نے کھیتی کا شغل اپنانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں سے پوچھتے تو لوگ ہنستے کیونکہ پیر اور پیرزادے کھیتی کریں اور محنت سے کمائیں یہ عام تخیل سے بالا ہے، لوگوں کا استعجاب بڑھتا رہا اور حیرت زیادہ ہوتی گئی حضرت مرشدنا پہلے سال پوچھ پوچھ کر کامیاب رہے۔ حضرت مرشدنا کی فطرت میں تقلید بے جا نہ تھی بلکہ نشان پانے اور علامات سے حالات پہچاننے کی پوری صلاحیت کے باعث دوسرے سال خود ہی

غور کر کر کے انجام دیتے، دوسروں سے پوچھنے کی زیادہ ضرورت نہ پڑی اور اس طرح کامیابی رہی تیسرے سال اپنی عارفانہ صلاحیت کی بنا پر کھیتی کے جان کار ہو گئے اور دنیاوی کاموں میں بھی امامت کے مستحق بنے لوگ آتے اور پوچھتے آپ فرماتے کوئی مسلمہ قاعدہ نہیں بلکہ حالات کو دیکھنے اور کھیت پر جانے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے کرتا ہوں، ضروری سمجھیں تو آپ بھی وہی کریں۔ اس طرح دنیا کے کام میں بھی ایک بلند مقام پر فائز ہوئے۔ لیکن دُنیاوی مشغولیتیں دینی انہماک میں حارج نہ ہو سکیں۔ ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا کا خیال واقعہ میں ظاہر ہو گیا۔

مرشد پر فدائیت:

حضرت سید صاحبؒ سے جس حد تک فریفتگی اور محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے کو ان کے سامنے فانی بلکہ نیست سمجھتے تھے۔ سید صاحبؒ کی سوانح حیات چھپنے کے بعد خیال ہوا کہ حضرت کے واقعات زندگی بھی مرتب کیے جائیں۔ پوچھا گیا تو سخت لہجہ میں فرمایا میرے کچھ حالات نہیں، جو کچھ ہیں سید صاحبؒ ہی کے ہیں۔ اس طرح یک در گیر و محکم گیر پر قائم رہے۔ فرماتے تھے کہ ائمہ طرق حضرت اجمیریؒ اور بڑے پیر صاحب اور دیگر برگزیدہ ہستیوں کے ذکر کے بعد یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا۔ حضرت سید صاحبؒ

سے ملاقات کے بعد سب کچھ مل گیا اور تمنا پوری ہوگئی۔

مُرشد کا مرتبہ:

حضرت سیّد صاحبؒ کی سوانح حیات علیحدہ کتابی شکل میں آچکی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ آپ کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے۔ حضرت سیّد صاحبؒ خدمت کے جس مقام پر اوّلاً فائز ہوئے وہ ابدال کا درجہ تھا۔ ڈائمنڈ ہاربر پر ایک باخدمت رہتی تھیں جو ابدال تھیں۔ سیّد صاحبؒ کبھی کبھی ملنے جاتے تھے۔ ان کے وصال کے بعد یہ درجہ آپ کو ملا، حضرت شیخ ابوالحسنؒ مکہ معظمہ میں رہتے تھے، ہوش نہیں تھا، اپنے زمانے کے قطبِ مدار اور غوث تھے، حضرت سیّد صاحبؒ کی خدمت کی تعلیم آپ سے ہوئی۔ ان کے وصال کے بعد غوثیت کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا اور خانۂ کعبہ کے نگران اور علوم کے محافظ بنائے گئے۔ آپ کی خصوصیت میں مقام ولایت پر بلند کرنا اور دیگر سلسلوں میں اندراج النہایت فی الہدایت کا طریقہ رائج کرنا۔ مزاج السلاسل اور مختلف رنگوں میں یگانگت اور استیناس پیدا کرنا ہے۔ حضرت سیّد صاحبؒ رحمتِ خاصہ کا مظہر تھے، تربیت اور اصلاح میں سنّت کا انداز رہتا، کبھی غصّہ نہ آتا اور تادیب کے وقت اپنے ہی کو سبب بتا کر طالب کو خوش کر دیتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا طریقہ توجہ اور نسبت کا تھا۔ عام لوگوں کے لیے وعظ و نصیحت بھی پسند فرماتے تھے مگر متوسلین کی تعلیم توجہ اور نسبت سے کرتے

تھے۔ اپنے لیے اخفاء پسند فرماتے، کوئی امتیاز قبول نہ کرتے یہاں تک کہ جب کوہنڈہ تشریف لاتے تو فرماتے کہ کوئی پوچھے تو کہنا میرے مہمان ہیں۔ سیّد صاحبؒ کی تعلیم و تربیت میں خدمت، جذب اور ارشاد کا رنگ شامل تھا اور ائمہ طرق، ابدال و اغواث کی نسبتیں بھی براہ راست اویسی طور پر پڑتیں جن کا تحمل عام ظرف نہیں کر سکتا۔ حضرت سیّد صاحبؒ کا تحمل و برداشت آگ کے سمندر سے ٹھنڈے ٹھنڈے پار کرنے کا ثبوت دیتا ہے، حضرت سیّد صاحبؒ کی نسبتوں کا تحمل حضرت مرشدنا کو تھا۔ لا یحمل عطایا الملک الا عطایاہ مشہور ہے۔ حضرت مرشدناؒ کی بیقراری اور گریہ و زاری کا یہ عالم تھا کہ زبان سے دل بہلانے کی باتیں کر لیتے۔ عامی سمجھتا کہ یہی مقصود بالذات ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کانگریس اور لیگ کے زمانے میں لیگ سے دل چسپی کا حال دیکھ کر خادم نے عرض کیا کہ سلسلہ کے لوگوں کی سیاسی سلک سے تنظیم کر لی جائے تاکہ اس دل چسپی کو کامیابی حاصل ہونی آسان ہو۔ جیسے جیسے باتیں عرض کرتا تیز نگاہوں سے دیکھتے جاتے اخیر میں سرد آہ بھری اور فرمایا کہ عزیز من یہ باتیں مقصود بالذات نہیں دل بہلانے کی ہیں، ہمہ وقت کیفیات کا ورود رہتا، عام لوگوں سے چہرہ کسی اور طرف گھما کر رو لیتے اور پھر لوگوں کی طرف درد کی لذّت پر مسکراتے ہوئے نظر ڈالتے۔ عوام سمجھتے کہ یہ تبسم عام ہے مگر وہاں کچھ اور ہی بات رہتی ؎

فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت عام نہیں

حضرت سیّد صاحبؒ جب کوہنڈہ میں تشریف لاتے تو محلے کے بچے دیکھنے اور سُننے کے شوق میں مسجد کے قریب جمع ہو جاتے اور کہتے چلو حال دیکھیں۔ حضرت سیّد صاحبؒ کی تجلّی بھری نگاہوں نے حضرت مرشدنا کو مکمل باشعور جلوہ گاہ بنا دیا۔ جنہوں نے حضرت مرشدناؒ کی مختلف صحبتیں اور نشستیں دیکھیں وہ کہتے رہے ؎

کہاں کہاں دلِ ناشاد یہ پکار آیا
وہ چمکی برق تجلی وہ کوہ طور آیا

تعلیم سلوک:

حضرت سیّد صاحبؒ نے حضرت مرشدناؒ کی تفصیل سے تعلیم دوسرے دائرے تک کی، ایک روز فرمانے لگے کہ طائرِ حیات (جس کو آپ طاؤس سے تشبیہ دیتے) دو مرتبہ پھڑک چکا ہے ممکن ہے اب کی مرتبہ پھڑ کے تو پرواز کر جائے لہذا آیندہ کے لیے باتیں محفوظ رکھنے کے لیے وصیت فرمائی اور اذسبت تک کی تعلیم بیان فرمادی، حضرت مرشدناؒ نے یہ سُن لیا۔ اس وقت یہ خیال نہ ہوا کہ آیندہ ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جارہا ہے۔

برما کا سفر:

حضرت مرشدناؒ نے برما کا سفر کیا اور وہاں معلّمی کی خدمت

پر مامور ہوئے، ۱۹۰۱ء رہا ہو گا کہ حضرت سیّد صاحبؒ کے متعلق خط پہنچا، بسمار شدید ہے چیچک کے دانے نمودار ہو گئے ہیں، یہ سُنتے ہی حضرت مرشدناؒ نے استعفیٰ دیا اور واپسی کی تیاری کی۔

مرشد کا وصال اور خلافت کی ذمہ داری:

حضرت مرشدناؒ کے برما سے بنڈل پہنچنے سے پہلے ہی حضرت سیّد صاحبؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ یہاں پہنچنے پر تمام حالات بیان کرنے کے بعد نجیبن بُوا نے فرمایا، سیّد صاحبؒ نے خلافت کا بار آپ پر چھوڑا ہے۔ حضرت مرشدناؒ یہ سُن کر تشویش میں پڑ گئے، فرمانے لگے میں تو نیا ہوں، کیسے ہو گا۔ نجیبن بوا نے فرمایا میں نے کہا تھا، سیّد صاحبؒ نے فرمایا میں تو ہوں یہ جملہ سُن کر حضرت مرشدناؒ کو یک گونہ اطمینان ہوا، برما کے سفر سے پیشتر ہی حضرت سیّد صاحبؒ نے حضرت مرشدناؒ کو تعلیم کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ جب سیّد صاحبؒ کوہنڈہ تشریف لائے تو حضرت مرشدناؒ نے دو نئے تعلیم دینے آدمیوں کو پیش فرمایا۔ سیّد صاحبؒ نے دیکھا اور فرمانے لگے آپ نے تعلیم کی ہے میں نے اجازت دی تھی ورنہ مر جاتے یا مر گئے ہوتے آپ کو اس وقت یہ جملہ مستقل یاد آیا۔ آیندہ کی ذمہ داری پا کر کافی تشویش رہی مگر مرد باید کہ ہراساں نہ شود کی نصیحت سامنے رہی اور تبلیغ کا کام ذمہ دارانہ انداز سے شروع کر دیا۔

حضرت مولینا غلام سلمانیؒ کے یہاں قیام:

سیّد صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مرشدناؒ بظاہر کھوئی

ہوئی صحبت کی تلاش کے لیے بے تاب تھے، خیال ہوا کہ یہ بے چینی حضرت مولانا غلام سلمانیؒ جو حضرت سید صاحبؒ کے پیر و مرشد تھے۔ سے کم ہو سکے۔ وہاں سے روشنی سید صاحبؒ کے ذریعہ ملی تھی اس لیے حضرت مولینا کی صحبت میں کچھ دن قیام فرمایا۔ سورج کا دیکھنا آسان تھا مگر آتشیں شیشے سے جو لطف تھا دل اس کے لیے بے چین رہا، خواب دیکھا کہ اشارہ ہو رہا ہے کہ سید صاحبؒ ہی کے چشمے سے پوری سیرابی رہے گی اس لیے کوہنڈہ واپس تشریف لے آئے۔

ایک خواب:

ایک شب خواب میں دیکھا کہ دستر خوان چُنا ہوا ہے، لوگ جمع ہیں، حضرت مولینا غلام سلمانیؒ بھی تشریف فرما ہیں، حضرت مرشدناؒ روٹی کے لقمے توڑ توڑ کر مولینا کو کھلا رہے ہیں اور مولینا کھا رہے ہیں۔ یہ خواب جب حضرت مولینا کے یہاں آپ نے لکھا تو حضرت مولینا کی توجہ آپ کی طرف بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ایک شب جب کہ کوہنڈہ کے لوگ بھی موجود تھے اور متوسلین بھی، حضرت مرشدناؒ نے گاؤں کے لوگوں سے جو موجود تھے خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا میں تو وہی ہوں جو آپ لوگ سمجھتے ہیں مگر حضرت مولینا مجھے کیا سمجھتے تھے میں نہیں کہہ سکتا۔

حضرت مولینا کا خصوصی برتاؤ:

ایک مرتبہ تبلیغ کا سفر کر کے واپسی میں حضرت مولانا غلام سلمانیؒ

صاحب کے یہاں حاضری کا موقع ہوا، حضرت مولینا کے یہاں معمول تھا کہ لوگ اجازت سے آتے اور پہلی ہی اجازت میں متعین کر دیا جاتا کہ فلاں وقت ملیں اور فلاں وقت واپس چلے جائیں، وقت کی پابندی ملاقاتیوں کے لیے لازمی تھی، حضرت مرشدناؒ جب کہ حضرت مولیناؒ کوٹھے پر بیٹھے تسبیح ہاتھ میں لیے مشغول تھے پہنچے، نگاہ پڑی تو حضرت مولانا نے فرمایا اہا آیئے مولوی صاحب آیئے، فوراً حاضر ہوئے اور بہ ادب مصافحہ کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت مولاناؒ نے پوچھا کہاں گئے تھے، عرض کیا تبلیغ میں، پوچھا کتنے دن کے لیے، عرض کیا، ایک مہینہ۔ حضرت مولینا نے فرمایا اُہوں، تبلیغ کے لیے کم سے کم تین چار مہینے کے لیے نکلا کیجئے۔ آیندہ سے جب بھی سفر کے لیے نکلتے دن، تاریخ گنتے رہتے اور اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ کو پورا کرنے کو ضروری سمجھتے۔ حضرت مولیناؒ سے گفتگو کے خاتمہ پر حضرت مرشدناؒ نے رخصت ہوتے ہوئے پوچھا پھر کب حاضر ہوں۔ وہاں حضرت مولیناؒ کے خلفاء بھی موجود تھے، حضرت مولاناؒ نے مرشدناؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا آپ کے لیے اور آپ کے مریدوں کے لیے میرا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے، لوگ بڑے استعجاب سے حضرت مرشدناؒ کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ خود خلفاء ہیں اور پابندی وقت کے ساتھ آنا جانا ہوتا ہے یہ کون صاحب ہیں کہ جن کے لیے ایسا عام ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا میں تارک الدنیا گوشہ نشین فقیر ہوں، مجھے دنیا اور دنیا والوں سے کیا مطلب۔ کوئی آتا ہے۔

لہ ان دونوں مدتوں میں سے۔

کہ میرے مقدمہ کے لیے دُعاء کیجئے تو کوئی اولاد کے لیے دعا کراتے آتا ہے۔

چاٹگام کا تبلیغی سفر:

حضرت مرشدنا نے حضرت سید صاحبؒ کی عائد کردہ ذمہ داری کی تکمیل کا کام شروع کیا، یہ ایسا کام تھا جس کا تصور پریشانی کا باعث تھا، اس انداز تعلیم سے عام واقفیت نہیں تھی، پہلی مرتبہ چاٹگام کا سفر کیا۔ جہاں حضرت میاں صاحبؒ کے پہلے سے متوسلین تھے، حضرت مرشدناؒ جب تشریف لے گئے تو لوگوں کو خیال ہوا کہ پیرزادے ہیں ان کی خدمت کرنی ہے۔ مگر پیرزادے کچھ اور ہی نظر آئے، رات بھر کی مشغولیت اور رہبان فی اللیل کا انداز سامنے رہا مگر پہلے پہل لوگوں کو زیادہ توجہ نہ ہوئی خاطر مدارات کے بعد رخصت کر دیا، واپسی میں پھر دیکھا کہ یہ حال وقتی نہیں بلکہ دائمی اور استقامت کا ہے، نئی بات دیکھ کر پیرزادے محنت گزار اور شب بیدار ہیں۔ اس عزم اور پائیداری کے ساتھ کیا بات ہے کچھ لوگ مخاطب ہوئے، حضرت نے ان کو تعلیم کی، تعلیم کے بعد نیا رنگ دیکھ کر اور تعجب بڑھا مگر ابھی صحیح قدر سے واقفیت نہ ہوئی۔ حضرت صوفی عبدالمجید صاحب بڑے ہمدرد ہی سفر میں ساتھ تھے، تکلیف دیکھ کر گھبرائے، حضرت مرشدناؒ نے فرمایا، کام میں شروع شروع اسی طرح تکلیف ہوتی ہے یہ چاٹگام تھا جہاں ہاتھ میں بستر لے کر گئے تھے وہی جگہ تھی جب بعد میں جا رہے تھے تو دیکھا کنارے پر ایک بہت بڑا ہجوم ہے، حضرت مرشدناؒ نے ساتھیوں سے پوچھا یہ کیا ہے، لوگوں نے جواب دیا یہ آپ کے

استقبال کا مجمع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کا جنگل ہے۔

چاٹگام کے ایک خاص مرید:

حافظ منیر صاحبؒ حضرت مرشدناؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے، ظاہری تعلیم بہت زیادہ نہ تھی یعنی صرف حافظ تھے۔ مگر جب حضرت مرشدناؒ کا رنگ غالب ہوا تو معمولات اور اشغال میں اسی طرح کی پابندی کی جیسی کہ حضرت مرشدناؒ کی تھی، حضرت مرشدناؒ نے جب حافظ صاحبؒ کو خلافت دی تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ وہ تو صرف حافظ ہیں اور دوسرے مولوی عالم، کیا بات ہے کہ ایسا ہو رہا ہے، بہت سے بے تکلف پوچھنے بھی لگے اور بحث مباحثہ میں لگ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے امید ہے پورا ہو کر رہے گا اور کچھ عالم حضرات کو بھی خلافت دی گئی مگر حافظ صاحبؒ کا جب وصال ہوا تو حضرت مرشدناؒ کے ساتھ خادم بھی حاضر تھا، منظر دیکھا لوگ جوق در جوق حاضر ہیں اور ہر طبقہ کے لوگ حافظ صاحبؒ سے وابستہ نظر آ رہے ہیں۔ ایک روز فجر کی مشغولیت کے بعد صحن میں جب حضرت مرشدناؒ تشریف فرما تھے، مجمع کا حال دیکھ کر فرمانے لگے کیا بات ہے، میں گوشہ نشینوں کی وراثت کس ہنگامہ میں پھنس گیا ہوں، میں تو دروازہ بند کر کے رہتا ہوں، یہ بھیڑ بھاڑ میرے لیے کیسی اور سراج المصطفےٰ صاحب جو حافظ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اس بھیڑ بھاڑ میں کوئی صاحب کمال کیسے پیدا ہوگا، صاحب کمال تو غوطہ زن کی طرح سے ہوتا ہے اور موتی نکالتا ہے

جھاڑ پھونک گنڈہ تعویذ رہ جائے گا اور کمال کی رسائی مشکل، تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ کا وقت ہوا۔ دستر خوان پر خادم بھی حاضر ہوا فرمانے لگے، دیکھا مولوی صاحب گوشہ نشینوں کی وراثت ہنگامہ میں پھنس گئی۔ کیا بھیڑ بھاڑ ہے۔ اس طرح کمال پیدا کرنا آسان نہیں، خادم نے عرض کیا کہ حضرت ہی یا حضرت کے متوسلین کے متوسلین ہیں اور کچھ نہیں تو کم سے کم دیدار کے مشتاق ہیں اسی کی اجازت رہے تو بڑا شرف ہے، اس کے بعد سے خاموش رہے دو آدمی ہاتھ پکڑے رہتے اور جب تک باہر رہتے مجمع ایک دروازے سے آتا اور دوسرے دروازے سے مصافحہ کر کے باہر جاتا۔ یہ اس شخص کے متوسلین کا حال تھا جس کی خلافت پر لوگ شک و شبہ کیے ہوئے تھے مگر قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری اسی اثناء میں بہت سے باعلم حضرات بھی خلافت سے مشرف ہوئے مگر باوجود باہمہ خوبیاں ان کا کوئی متعلق نہ ہو سکا بڑا خطرہ تھا کہ اگر واپسی ریل سے ہوئی تو اس مجمع سے رخصتی کسی واقعہ کا سبب نہ بنے مگر ہوائی جہاز سے ڈھاکہ کی روانگی طے ہوئی اس لیے خطرہ دور رہا۔

تعلیم سلوک کی آخری نسبتیں:

غالباً ۱۹۳۹ء کا ذکر ہے جب خانقاہ میں چاٹگام کے مولانا نذیر احمد صاحبؒ الہ آباد کے حاجی سعید صاحبؒ اور محمود اللہ میاں اور خادم وغیرہ حاضر تھے۔ ایک صحبت میں فرمانے لگے کہ تعلیم ادنیت تک جو پہنچی ہے میں نے بے کم و کاست بتا دی اور تعلیم کر دی، آئندہ اگر کچھ اور معلوم ہوگا

تو بتاؤں گا، اس آئندہ والے جملے کو سننے کے بعد خیال ہوا کہ یہ احتیاطی جملہ ہے، سید صاحبؒ تعلیم ختم کر کے تشریف لے جا چکے ہیں، آگے تعلیم کا کیا مفہوم مگر ۵۱ء کے قریب اکثر خاص لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو کچھ ابھی اور ہے اپنی اپنی صلاحیت کی بناء پر لوگوں نے کوشش کی۔ مگر پوری طرح پر نہ سمجھ سکے، ۵۵ء کے قریب ایک ملاقات میں فرمانے لگے دیکھو ادنیت کے بعد رجوع الی الخلق مع اللہ، دعوۃ الخلق الی اللہ اور اکملیت کی نسبتیں ہیں، نوٹ کر لو اور کام کرو، خادم کے ذہن نے کام کیا، خیال ہوا کہ اس طرح کا ذکر مکتوبات میں مجدد صاحبؒ کے یہاں ہے، تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ مجدد صاحبؒ نے مکتوب نمبر ۴۲ (دفتر دوم) میں لکھا ہے کہ میری تعلیم کا خلاصہ چار سیروں میں ہے، سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر مع اللہ اور سیر عن اللہ باللہ، سیر عن اللہ باللہ اور رجوع الی الخلق مع اللہ مضمون کے لحاظ سے ایک ہیں، الفاظ میں فرق ہے، کسی مجلس میں مضمون سننے کے بعد خادم نے عرض کیا کہ اس طرح کا کچھ ذکر مکتوبات امام ربانیؒ میں ہے آپ نے فرمایا میں نے مکتوبات نہیں دیکھی۔

علماء کا احترام:

علماء سے حضرت مرشدناؒ کو کافی اخلاص رہا، جب کبھی ان کا ذکر آتا تو فرماتے ہمارے علماء مجددی ولی اللہی سلسلہ سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ صوفی نور محمد صاحبؒ چاٹگامی سے ملا ہے۔ حضرت مرشدناؒ علماء کا احترام ضروری سمجھتے اور بہ ہمہ اختلاف

جھاڑ پھونک گنڈہ تعویذ رہ جائے گا اور کمال کی رسائی مشکل، تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ کا وقت ہوا۔ دستر خوان پر خادم بھی حاضر ہوا فرمانے لگے، دیکھا مولوی صاحب گوشہ نشینوں کی وراثت ہنگامہ میں پھنس گئی۔ کیا بھیڑ بھاڑ ہے۔ اس طرح کمال پیدا کرنا آسان نہیں، خادم نے عرض کیا کہ حضرت ہی یا حضرت کے متوسلین کے متوسلین ہیں اور کچھ نہیں تو کم سے کم دیدار کے مشتاق ہیں اسی کی اجازت رہے تو بڑا شرف ہے، اس کے بعد سے خاموش رہے دو آدمی ہاتھ پکڑے رہتے اور جب تک باہر رہتے مجمع ایک دروازے سے آتا اور دوسرے دروازے سے مصافحہ کر کے باہر جاتا۔ یہ اس شخص کے متوسلین کا حال تھا جس کی خلافت پر لوگ شک و شبہ کیے ہوئے تھے مگر قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری اسی اثناء میں بہت سے باعلم حضرات بھی خلافت سے مشرف ہوئے مگر باوجود باہمہ خوبیاں ان کا کوئی متعلق نہ ہو سکا بڑا خطرہ تھا کہ اگر واپسی ریل سے ہوئی تو اس مجمع سے رخصتی کسی واقعہ کا سبب نہ بنے مگر ہوائی جہاز سے ڈھاکہ کی روانگی طے ہوئی اس لیے خطرہ دور رہا۔

تعلیم سلوک کی آخری نسبتیں:

غالباً ۱۹۳۹ء کا ذکر ہے جب خانقاہ میں چاٹگام کے مولانا نذیر احمد صاحبؒ الٰہ آباد کے حاجی سعید صاحبؒ اور محمود اللہ میاں اور خادم وغیرہ حاضر تھے۔ ایک صحبت میں فرمانے لگے کہ تعلیم ادنیت تک جو پہنچی ہے میں نے بے کم و کاست بتا دی اور تعلیم کر دی، آئندہ اگر کچھ اور معلوم ہوگا

تو بتاؤں گا، اس آئندہ والے جملے کو سننے کے بعد خیال ہوا کہ یہ احتیاطی جملہ ہے، سید صاحبؒ تعلیم ختم کر کے تشریف لے جا چکے ہیں، آگے تعلیم کا کیا مفہوم مگر ۵۱ء کے قریب اکثر خاص لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو کچھ ابھی اور ہے اپنی اپنی صلاحیت کی بناء پر لوگوں نے کوشش کی۔ مگر پوری طرح پر نہ سمجھ سکے، ۵۵ء کے قریب ایک ملاقات میں فرمانے لگے دیکھو ادنیت کے بعد رجوع الی الخلق مع اللہ، دعوۃ الخلق الی اللہ اور اکملیت کی نسبتیں ہیں، نوٹ کر لو اور کام کرو، خادم کے ذہن نے کام کیا، خیال ہوا کہ اس طرح کا ذکر مکتوبات میں مجدد صاحبؒ کے یہاں ہے، تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ مجدد صاحبؒ نے مکتوب نمبر ۴۲ (دفتر دوم) میں لکھا ہے کہ میری تعلیم کا خلاصہ چار سیروں میں ہے، سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر مع اللہ اور سیر عن اللہ باللہ، سیر عن اللہ باللہ اور رجوع الی الخلق مع اللہ مضمون کے لحاظ سے ایک ہیں، الفاظ میں فرق ہے، کسی مجلس میں مضمون سننے کے بعد خادم نے عرض کیا کہ اس طرح کا کچھ ذکر مکتوبات امام ربانیؒ میں ہے آپ نے فرمایا میں نے مکتوبات نہیں دیکھی۔

علماء کا احترام:

علماء سے حضرت مرشدناؒ کو کافی اخلاص رہا، جب کبھی ان کا ذکر آتا تو فرماتے ہمارے علماء، مجددی ولی اللہی سلسلہ سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ صوفی نور محمد صاحبؒ چاٹگامی سے ملا ہے۔ حضرت مرشدناؒ علماء کا احترام ضروری سمجھتے اور بہ ہمہ اختلاف

مسالک علماء کے احترام و تقدس کا اعتراف ہمیشہ کرتے۔ حضرت مرشدناؒ جب دیوبند تشریف لے جاتے تو ڈاکٹر احمد اللہ صاحبؒ کے یہاں قیام رہتا۔ آپ کے خلیفہ حضرت مولینا شبلیؒ، شیخ الہند کے خاص شاگردوں اور مریدوں میں سے تھے نداول ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ جب کہیں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی مولینا شبلیؒ کو بھی اپنی جگہ پر کر جاتے۔ گو آپ علماء کی صحبتوں کے فیض یافتہ تھے لیکن نسبتِ صوفیہ کے دلدادہ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد حضرت مولینا شبلیؒ نے حضرت مرشدناؒ کی طرف رجوع کیا تب بھی دوسرے علماء اور مولینا شبلیؒ کے اخلاص میں کسی قسم کا فتور نہ آیا بلکہ محبت اور خلوص ایک دوسرے سے بڑھتا ہی رہا، حضرت مرشدناؒ کے پاس نسبتِ صوفیہ پاکر بڑی خوشی محسوس کرتے اور فرماتے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ حضرت مولینا شبلیؒ کا وصال مظفر نگر میں سردار اکرم خاں کے یہاں نواب زادہ لیاقت علی خان کی کوٹھی پر ہوا وصال کی خبر پہنچتے ہی دار العلوم دیوبند بند کر دیا گیا، لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی، عام قبرستان میں ان کا مزار ہے۔ ڈاکٹر احمد اللہ صاحب دیوبند کے مشہور اور خاص لوگوں میں سے تھے، حضرت مرشدناؒ کے خلیفہ تھے، لائلپور میں انتقال ہوا۔

ایک یتیم کی پرورش:

ایک شخص جس کا انتقال ہو چکا تھا ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ ان کے

سینہ پر ایک روشنی نمودار ہے، اس قصہ کو دیکھنے کے بعد ایک بیان میں فرمانے لگے کہ ان کے اندر نور کی یہ کیفیت دیکھ کر تجسس ہوا کہ کون سا کام ان کا ایسا نور آور تھا، پتہ چلا کہ وہ کسی یتیم کی پرورش کر رہے تھے اور اس کے کفیل تھے خوشی ہوئی کہ انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اسی کفالت کا نور ہے جو سینہ پر نمودار ہے، فرمانے لگے کہ اللہ جل شانہ نے ہر معروف اور مستحسن کام کے ساتھ خوبیاں اور انوار وابستہ کیے ہوئے ہیں کسی ایک کے ساتھ حصر نہیں۔ ایک یتیم بچہ آپ کے یہاں لایا گیا جو بھانٹ کا تھا، بچہ چھوٹا تھا مگر اس شوق سے کہ کافل یتیم کا شرف حاصل ہو اس کی پرورش شروع کر دی۔ بچہ کبھی کبھی اپنی کویتا سناتا۔ اس کا باپ اس کی آواز سن کر جس طرح خوش ہوتا اس کے سامنے خوشی کا اظہار کیا جاتا تاکہ یہ چھوٹا سا دل اپنے باپ کی محبت کا لطف پائے اور خوش ہو، لڑکا پڑھتا کبھی آپ ہنسے، کبھی نین ہنسے، کبھی نین کے نہ بیچ ہنسے کچھ۔ حضرت مرشدناؒ ایک روز فرمانے لگے مولوی صاحب عربی کا کوئی شعر اس مضمون کا پڑھئے۔ خادم خاموش رہا، کچھ دنوں کے بعد کسی دوسری مجلس میں اس مضمون کا عربی شعر پڑھ کر سنایا۔

ایک سخت آزمائش:

حضرت مرشدناؒ کا نوکر جو غیر مسلم تھا صحبت کی بناء پر مسلمان ہو گیا اس کی بیوی نے اپنے اوچھاؤں وغیرہ سے سفلی اثر ڈالنے کی بھی کوشش کی اور

ظاہر میں مخالفین نے عدالت میں دعویٰ دائر کرادیا، اس زمانے میں عدالت کے نام سے گھبراہٹ ضرور ہوتی تھی، حضرت مرشدنا کے متعلقین بھی پریشان تھے کہ کیا ہوگا، اور گوشہ نشینی کی وراثت عدالت کے امتحان میں کیسے پیش ہوگی، تاریخ کے دن حضرت مرشدنا ابوالحسن بھائی مرحوم کے ساتھ عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے تو انگریز مجسٹریٹ جو بہت سخت تھا احترام میں کھڑا ہوگیا اور وکلاء میں ایک ایسی لہر تھی کہ ہر شخص حضرت مرشدنا کی طرف سے خدمت سعادت جان کر کوشاں تھا، عدالت میں جب یہ رنگ دیکھا تو مدعی ایسا غائب ہوا کہ اب تک پتہ نہیں، اس طرح کی اور بھی بہت سی آزمائشیں آئیں اور لائی گئیں مگر جو گل کے جو یا ہیں انہیں کیا خار کا کھٹکا۔

حکیم انوار صاحب:

مظفر نگر میں ایک قصبہ جان سٹھ ہے جہاں کے رہنے والے حکیم انوار صاحب سلسلہ کے گزرے ہیں، وہ مولانا شبلی کے متعلقین میں سے تھے، بڑے زمیندار تھے مگر جیسا بڑوں کا حال ہوتا ہے انتظام باقاعدہ نہ ہو سکنے کے باعث زمین آہستہ آہستہ گروی ہوتی گئی اور مہاجن سب پر قبضہ کرتا رہا۔ حکیم صاحب حضرت مرشدنا کے پاس آئے پوچھا کس لیے آئے، حکیم صاحب نے اپنی پریشانی کا قصہ بیان کیا اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ جل شانہ کم سے کم اکل حلال کے لیے کچھ حصہ محفوظ رکھے، حضرت مرشدنا نے جواب دیا مرے یہاں ایک مدرسہ ہے جس میں ہر قسم کے لوگ تربیت

پاکر فارغ ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ آپ کے درجات کا مجھے علم ہے، مولانا شبلی فرماتے تھے کہ جن کو حضرت مرشدنا خاص توجہ دیتے ہیں اولیاء کی توجہات ان کو گھیرے رہتی ہیں، حضرت مرشدنا نے متواضعانہ انداز میں فرمایا میں کمزور ہوں اگر اولیاء تائید نہ فرمائیں تو کام کیسے ہو۔ حکیم صاحب حضرت مرشدنا کی صحبت کا اثر بیان کرتے ہوئے کہنے لگے، میں اتنا پرانا ہوں کہ اگر مجھے آپ کی پوری صحبت حاصل ہوتی تو میں دوسروں کو بارہ برس تعلیم دیتا جو نئے ہونے کے باوجود آپ کی صحبت سے پورے مستفیض ہو چکے ہیں اور اب وہ اس قابل ہیں کہ مجھے بارہ برس تک تعلیم دیں۔ حکیم صاحب کئی روز تک رکے رہے اور حضرت مرشدنا نے ان کے حق میں دعا کی، اللہ جل شانہ کی مہربانی سے قبولیت ہوئی مگر فیصلہ کے وقت جو حکم ہوا تو حکیم صاحب کو پوری کامیابی نہیں ہوئی، جب تجویز دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ اللہ کا بڑا فضل ہے کامیاب ہوئے۔

معمولات:

حضرت مرشدنا جانشینی کی ذمہ داری اور اس کا اہتمام، ایک زندہ حساس فطرت رکھنے والے باحمیت خوددار، انجام پر جواب دہ ہونے والے شخص کا نمونہ گزرے، چوبیس گھنٹے کے روزانہ کے اوقات کو اس طرح منضبط اور مرتب فرمایا کہ ہر لحہ ذمہ داری اور ہر وقت بیداری اور ہوشیاری کا رہا بے ضابطگی، بے اعتدالی سے ہمیشہ بچتے اور احتیاط رکھتے رہے کہ مبادا غفلت اور تسویف جواب دہی کا باعث

نہ ہو۔ صبح سے شام تک کے اوقات دین اور دنیا دونوں ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے ایسے بٹے ہوئے تھے کہ ہٹانے سے ضائع ہونے کا خوف رہتا، مغرب کی نماز کے بعد مراقبہ ضبط اوقات اور اہتمام کے ساتھ، اس میں اوسطاً ایک گھنٹے کا اندازہ ہوتا، فارغ ہونے کے بعد باہر آکر ضروریات پوری کرنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے اور درود شریف جس میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا، سے فارغ ہو کر کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر دینی باتوں میں مریدین کو آگاہی اور ہوشیاری کے لیے صحبت میں رکھتے، گیارہ بجے یوں اجازت دیتے کہ جاؤ سوؤ، دو بجے اُٹھنا (گرمی کی راتوں میں) اور جاڑے کی راتوں میں تین بجے اُٹھنے کے لیے فرماتے، یہ تین گھنٹے کی قلیل مدت نیند تسلسل کے ساتھ نہ رہتی بلکہ ہر پون گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد بیدار ہوتے اور بیدار کرتے اس طرح دو بجے سے پہلے ہی خادم اُٹھتا اور ضرورت سے فارغ ہو کر وضو کر کے دو کا انتظار کرتا، جیسے ہی گھڑی دو بجاتی بیدار ہوتے، خادم کو مسجد جانے کی اجازت دیتے خود ضرورت سے فارغ ہو کر مسجد تشریف لاتے تہجد اور ذکر اذکار کا سلسلہ جاری رہتا۔ اکثر تہجد میں جہر سے قرأت کرتے جو ایک دو مریدین ہوتے اقتداءً ساتھ کھڑے ہو جاتے، چار رکعت تہجد کے بعد وتر پڑھتے، وتر سے فراغت کے بعد بلند آواز سے سورۂ الم سجدہ، اور پھر سورۂ ملک تلاوت فرما کر ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو کا ذکر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر لا الٰہ الا اللہ کا پنج ضربی ذکر اللہ اللہ کا چہار ضربی ذکر فرماتے، مراقب رہتے، یہ عام راتوں کا معمول تھا، کبھی کبھی ایسی راتیں بھی گزرتی ہیں جب کہ عشاء کے وضو

سے فجر کی نماز ادا کی گئی، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ زیادہ رات باقی تھی، اٹھنا ہوا اور مراقبہ میں مشغولیت اتنی لمبی ہوئی کہ جب ہوش ہوا تو اعضا سُن تھے، حرکت دینے پر بھی حرکت نہیں ہوئی تھوڑی دیر بعد مسجد کی شمالی دیوار کی کھڑکی کے قریب سے ایک غیبی انسان نمودار ہوا، ان کے ہاتھ میں چنگ سا آلہ تھا، سامنے پہنچ کر تار پر مارا، جس سے کچھ جسم میں حرکت محسوس ہوئی، دوسری پر کچھ اور تیسری پر کھڑے ہو گئے واللہ اعلم۔ صبح صادق ہوئی فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر ختم اور مراقبہ سے سورج نکلنے تک فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے، ناشتہ کے بعد کھیتی کے کاموں کے لیے جو آپ کا شغل تھا، آگے آگے خود، پیچھے پیچھے مریدین کھیت کھلیان جاتے وہاں دس بجے تک مختلف بیان اور وعظ یا تنبیہات کے ساتھ گزارتے اور کھیتی کے کاموں کی نگرانی بھی کرتے، دس بجے کے بعد اُٹھتے اور فرماتے چلو، وہاں نوکر کو بقیہ کام کے انجام دہی کا حکم کر کے گھر تشریف لاتے، ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد وضو کر کے خانگی مسجد میں تشریف لے جاتے، چاشت کی نماز دو رکعت پڑھتے، بقیہ ذکر اذکار پورا فرماتے، ایک گھنٹہ کے بعد باہر تشریف لاتے، دن کا کھانا کھانے کے بعد جاڑے کے دنوں میں ہلکا قیلولہ اور گرمی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا قیلولہ کر کے ظہر کی نماز پڑھ کر تلاوتِ قرآن اور توجہات کے بعد پھر کھیتی کے کام کے لیے لوگوں کے ساتھ روانہ ہو جاتے، گرمیوں میں تبرید کا خیال رکھتے، اکثر عصر کی نماز وہیں پڑھتے، جب مغرب میں اتنا وقت باقی رہتا کہ گھر پہنچ سکیں کام چھوڑ کر روانہ ہوتے، پوری زندگی روزانہ اس طرح گزرتی کہ

معلوم ہوتا کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

کا مصداق ایسے بنا جاتا ہے۔

سال کے اوقات اس طرح گزرتے کہ خریف یعنی بارش شروع ہونے سے دھان وغیرہ کی بوائی کرتے اور اوّل وقت پر معینہ تاریخوں پر کام کی انجام دہی ہوتی، جون سے جنوری تک گھر پر اقامت کرتے، آیندروند کی تعلیم و تربیت کرتے، سردی کم ہونے اور خریف کی کٹائی بوائی کے بعد اکثر رحمت بھائی اور واجد بھائی کو دروازہ پر ذمہ دار کر کے تبلیغی سفر کے لیے گھر چھوڑتے اور حضرت مولانا غلام سلمانی صاحبؒ کے اس مقولہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے کہ تبلیغ کے لیے تین چار مہینے جائیے، جب تین مہینے پورے ہو جاتے تو اگر آیندہ ضرورت نہ ہوتی تو سفر سے واپسی کا ارادہ ہوتا ورنہ مئی تک اس طرح باہر ہی وقت گزرتا، اپنی روزانہ اور سالانہ زندگی کا ضبط اور اس کی پابندی جس استحکام اور استقامت کے ساتھ کرتے وہ مداومت کی ایک بڑی مثال ہے اور اپنے لوگوں سے بھی چاہتے کہ وہ اس کے نمونے بنیں۔ کبھی فرماتے ہیں تو اپنی باری جاگ چکا اب جاگے جس کی باری ہے، کبھی فرماتے سیّد صاحب کا نمونہ بنو، پھل سے درخت پہچانے جاتے ہیں۔

رمضان اور تراویح:

رمضان شریف میں روزوں کا جب تک قویٰ میں صلاحیت تھی پورا اہتمام رہتا تھا، تراویح گاؤں کی جامع مسجد میں ادا فرماتے اور حسبِ حال مقتدی تلاوت فرماتے، ہر ترویحہ کے بعد لمبا توقف ہوتا جس میں درود شریف پڑھتے اور تراویح کے ختم کے بعد گھر آتے، قویٰ میں جب اضمحلال شروع ہو گیا تو اپنی خانگی مسجد میں تراویح ادا فرماتے، ایک مرتبہ غالباً ستائیسویں شب تھی، خادم بھی حاضر تھا، چوبیسواں پارہ یعنی فمن اظلم پورا بیس رکعتوں میں پڑھا، عجیب کیفیت تھی، اکثر سوچنا پڑتا کہ ہوش کا عالم تھا کہ بے ہوشی کا تراویح کے بعد معمولہ اشغال ادا ہوئے اور بڑی نوازشیں رہیں، رمضان میں شب قدر کی تلاش کا اہتمام بھی اکثر رہتا، پہلی سعادت شبِ قدر کے حصول کی جب میسر ہوئی تو دیکھا سارا عالم پرندوں سے بھر گیا ہے اور بیچ میں ایک قدِ انسانی ہیں، پرندوں کا مفہوم۔

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ

جو پروں والے فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے۔

کے بارے میں صاف رہا کہ یہ فرشتے ہیں جو سارے عالم میں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ کا مظاہرہ پیش کر رہے ہیں لیکن قدِ مرد پر خاص توجہ رہی، دوسری مرتبہ پھر جب شرفِ باریابی ہوئی تو اندازہ ہوا کہ تنزل الملٰئکۃ والروح کا مظاہرہ اس طرح پر بھی ہوتا ہے۔

تلاوتِ کلامِ پاک:

عام طور سے ظہر کی نماز کے بعد تلاوتِ قرآن کا وقت مقرر رہتا اور قرآن کی توجہ اور نسبت اس وقت دی جاتی اور کبھی کبھی حسبِ ضرورت چاشت کے وقت میں بھی القاء فرماتے۔ تبلیغ کے لیے پہلے سفر میں جب کلکتہ خادم کو بھیجا اور تھوڑے ہی دن کے بعد گھبرا کر واپس ہوا، شاہ گنج سے سیدھا کوہنڈہ حاضر ہوا، تو پوچھنے لگے خیریت تو ہے، کیا بات ہے، کھانے پینے یا کسی اور قسم کی تکلیف تو نہیں، جواب دیا نہیں، جو مستحکم جملہ فرمایا کہ جاؤ اللہ اللہ کرو، جس کا حصہ تمہارے یہاں ہے آکر رہے گا۔ اس نے دل میں استحکام پایا اور چاشت کی نماز کے بعد قرآن کی ایسی زوردار توجہ رہی کہ انوار کھلی آنکھوں دیر تک شفاف نورانی لہروں کی طرح نگاہ سے نمودار رہے، اس توجہ نے ہر قسم کے خس و خاشاک کو ایسا ختم کیا کہ ان کی گنجائش نہیں رہی، یہ جملہ ہر طرح سے محفوظ اور قائم رہ کر اور آئندہ زندگی کے لیے ہمیشہ ہمیشہ مشعلِ راہ رہا۔ فرماتے تھے قرآنی انوار یقینی ہیں اور اس کی نسبت اور توجہ نورانیت کے لیے بے شبہ ہے۔ لوگوں کو ہدایت فرماتے کہ تلاوتِ قرآن کو اپنی نورانیت کے لیے ضروری رکھیں اسی سے ظلماتی حجابات آسانی اور احسن طریق پر دور ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ:

کھیتی میں اللہ جل شانہ کے فضل سے اچھی پیداوار ہوتی، اصول زراعت کا

پورا لحاظ رہتا، وقت پر بوائی جتائی میز وقت پر کٹائی ہوتی اور عشر اور عشرین یعنی دسواں بیسواں کی ادائیگی کا قانونِ شریعت کے لحاظ سے اہتمام رہتا۔ زکوٰۃ سالانہ یعنی رمضان کے مہینے میں حساب کر کے نکلوا دیتے، اور اس کے بعد یہ مال مرکز اہل اللہ اور فقراء کے لیے مثلِ وقف رہتا۔

سفر حرمین شریفین:

شغل و اشغال محنت و مجاہدہ کا حاصل اور مقصود اتباعِ سنت اور فرائض کی ادائیگی ہے، جن سے نورانیت اور قبولیت حاصل ہوتی اور بڑھتی ہے۔ قرآن اور حدیث اللہ تعالیٰ کی ہر گھر میں دی ہوئی نعمتیں ہیں، اور آسانی سے اللہ کا کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دیکھی اور معلوم کی جا سکتی ہیں، لیکن شوق کے درجات اور درجات ہوتے ہیں، یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ کی مخصوص نسبت گاہ کی دید بہت ہی قیمت ادا کرنے ہی سے ممکن ہے، یعنی زیارت خانہ کعبہ ظاہر میں ہر شخص کے بس کی چیز نہیں مگر خوشا سعادت کہ اللہ کا منور کلام جو اس کا ہے ازلی اور قدیم ہے، نورانیت سے پُر بلکہ نور ہے، ہر ایک کو بلا قیمت یا بہ ادنیٰ قیمت گھر گھر قریہ قریہ آبادی آبادی آسانی سے ممکن اور میسر الحمد للہ الذی انعم علینا۔ مگر اس انعام کے ساتھ اگر خدا نے توفیق عطا فرمائی اور راہ کا امن میسر رہا اور اصولِ شریعہ نے واجب کیا تو زیارت خانہ کعبہ اور زیارت خانہ رسول بھی لازمی ہے، حرمین کا جگمگاتا بقعۂ نور اور اس کی نورانی ہواؤں میں طائرِ انسانی اپنے اس وجود عنصری کے ساتھ گزر آئے، وہ خوشا وقت

کہ جب وہ یثرب و بطحا کی طرف متوجہ ہو اور وہاں پہنچ کر کبھی باب جبریل اور باب سلام سے گزرے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا	بے شک سب سے اول گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ مبارک میں ہے۔
کو بچشم خود دیکھے اور ومن دخلہ کان اٰمِنًا	کا مژدہ پائے تو
من زارنی فی قبری فکانما زارنی فی حیاتی	جس نے میری قبر کی زیارت کی میری قبر میں گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

کی لذت سے لطف اندوز ہو، عام اسلامی فطرت میں ازل سے یہ جاذبہ جس حد تک موجزن ہے اس کا اندازہ ہر عامی و ابلہ خواص اور اخص کسی کے پاس ذکر کے بعد بے تابی اور بے قراری کے مشاہدہ سے کر سکتے ہیں۔ خواص تو اپنے لیے گھر اسی گھر کا سایہ اور اپنے لیے مستقر اسی قرار گاہ کا اثر رحمت جانتے ہیں، ان کو اس سے دوری ماہی بے آب بنا دینے والی بے قراری رکھتی ہے وہ گو بظاہر مکانی بعد رکھتے ہیں مگر ہمہ وقت رُخ اور توجہ اسی طرف ہوتی ہے۔ فراق دوست اگر اندک است اندک نیست۔ درون چشم اگر نہ ہوئے اندک است بسیار است۔

حضوری اگرچہ دائمی رہتی مگر حضوری کے مزید درجات کے لیے ہمہ وقت بیقراری تھی، اللہ جل شانہ نے اس کی بھی تکمیل کا یعنی حج کے سفر کا موقع عطا فرمایا اور مولوی نذیر صاحب چاٹگامی، مولوی فضل الحق صاحب تنکنیا وی، حاجی سعید

صاحب کھنڈوی، صوفی عبدالمجید صاحب، ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب سفر کے ساتھی بنے، قافلہ روانہ ہوا، ریل کی منزلیں طے کرتا ہوا جہاز کا سفر پورا کیا اور حرم مکہ میں داخل ہوا، قیام رہا اور ہمہ وقت بیت اور صاحب بیت کی جھلکیوں اور زیارتوں سے امتیاز اور شرف ملتا رہا، ایک روز شیخ سنوسی سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، مولوی نذیر صاحب مترجم رہے۔ عربی میں شیخ سے پوچھا کہ مکہ سے منیٰ عرفات سفر کی منزل نہیں تو قصر کیوں کیا جاتا ہے۔ شیخ نے کتابوں کی الماری کی طرف اشارہ کیا، ایک کتاب نکالی گئی اور کھولی گئی، پڑھنے پر معلوم ہوا کہ یہ قصر سفر کی مسافت کا نہیں بلکہ مناسک حج میں سے ہے۔ مسجد حرام میں مختلف جگہ دروس ہوتے ہیں، مولینا عبیداللہ سندھی بھی ایک جگہ درس دے رہے تھے، حضرت مرشدنا شریک رہے، مولینا موصوف نے

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ	ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہو گئے۔

کی تشریح بیان فرمانے کے بعد یہ مصرعہ بھی پڑھا کہ ؎

با من آنچہ کرد آں یک آشنا کرد

واللہ اعلم مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک روز شرکا سلسلہ جنت البقیع میں زیارت کے لیے خود گئے، واپسی پر حضرت مرشدنا نے پوچھا کیا بات رہی، لوگوں نے جواب دیا حضرت کچھ پتہ نہیں چلا، حضرت نے فرمایا تم لوگوں کو کون پہچانتا ہے ساتھ لے کر گئے اہل بیت اور دوسرے مزاروں پر مراقب رہے۔ لوگوں

سے پوچھا کیا بات رہی، لوگوں نے اپنے اپنے احساس کا ذکر کیا اور کچھ کچھ یافت کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا بھائی یہ ہیرے ہیں جو اگرچہ قلیل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ہیرے کی قیمت اور ہوتی ہے بھوسوں کی قیمت اور، خادم جب سفر حج سے واپس ہوا تو پوچھا کہ اہل بیت کے مزار پر گئے تھے تو کیا محسوس ہوا صحیح جواب دینے سے قاصر دیکھ کر فرمانے لگے دیکھو سید صاحبؒ کے مزار کے فیض کا انداز اہل بیت کے فیض کی طرح کا ہے، اس سفر کے زیادہ اسرار اور غوامض انحقاد ہی میں رہے، قال سے زیادہ نہیں لیکن حال سے لوگ جگمگاتے گئے۔

تین اہم کاموں کی تکمیل:

جوں جوں قویٰ کمزور ہونے لگے، جلد جلد کام کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ خانگی معاملات کو وقف اور منضبط کر دیا، دینی معاملات کی بھی ذمہ داریاں لوگوں کے سپرد کر دیں مختلف جگہوں پر لوگ کام کرنے میں لگ گئے، جیسا کہ فرمایا کہ حضرت سید عبدالباری شاہ رح کی سوانح میں پچاس سال کی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ میں ظاہراً بے یار و مددگار تھا، عدیم الفرصتی، کاشتکاری کا پیشہ، دیہاتی زندگی اور پھر اس اندیشے سے کہ اس کی اشاعت سے لوگوں کا ہجوم ہوگا شائع نہ کرا سکا، اب خدا کا فضل ہے، مختلف مراکز ہو گئے ہیں، ہجوم کا زیادہ اندیشہ نہیں، لوگ تقسیم ہو سکتے ہیں، میری عمر ۸۲ برس کی ہو گئی، قویٰ مضمحل ہو چکے، میری طرف سے دوسرے لوگ اس کام کو کرتے ہیں اور کام آسانی سے چل سکتا ہے۔

سوانح حیات حضرت سید عبدالباری شاہؒ لکھنے کی اجازت دی، تعلیمات کو مرتب کرنے کا حکم دیا تاکہ اختلاف نہ ہو اور فرمایا کہ الحمدللہ کہ حضرت سید عبدالباری شاہ رح کی عائد کردہ ذمہ داری کسی حد تک پوری ہو سکی۔ خدا اس سرمایہ آخرت کو قبول فرمائے۔

حضرت سید عبدالباری شاہ رح کی سوانح حیات چھپ گئی ہے اور کتاب تعلیمات بھی تسلسل کے ساتھ مختلف تجربوں اور مشاہدوں کے بعد مرتب ہو چکی ہے۔ تفصیل سے مسائل سمجھائے بھی گئے اور بتائے بھی گئے۔ اجمال و تفصیل کے ہر خم و پیچ سے آگاہ اور واقف کیا گیا، یعنی شیخ نے جو ضرورت تھی اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے پوری کر دی، ایک مکان بھی خانقاہ کے نام سے بنڈل میں جہاں حضرت سید عبدالباری شاہ رح کا مزار مبارک ہے بنوا دیا۔ جس کے دروازے پر لکھا دیا کہ یہ خانقاہ زائرین کے لیے وقف ہے۔ اس میں رسومات صوفیہ مثل سماع وغیرہ کی اجازت نہیں۔ خانقاہ مسجد کے مغرب میں ایک راحت اور سکون کی جگہ ہے۔ جس کی تعمیر میں حضرت مرشدناؒ کے ساتھ متوسلین پورینہ، چاٹگام اور چترا نے جس سرگرمی اور جوش کا ثبوت دیا وہ صدیقین کے مظاہر ہیں۔ زمین کے حاصل کرنے میں بھی مقامی لوگوں نے کافی مدد دی۔

الحاج سید محمد سعید الہ آبادی مرحوم مینجر رہے اور مستری عبدالعزیز مئو اعظم گڑھ نے تعمیر کا کام شروع کیا۔ حضرت مرشدناؒ مزدوروں کے ساتھ سرگرم عمل رہتے چنانچہ چاٹگام کے ایک ممتاز عہدہ دار جو عبدالغنی صاحب کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مرشدنا کی ممتاز، پُر وقار و جیہہ شخصیت کو بکار دیکھ کر حیرت سے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں جو اس طرح کام میں منہمک ہیں۔ عبدالغنی صاحبؒ نے بتایا کہ یہ اعظم گڑھ کے پیر ہیں۔ چاٹگامی افسر اعظم گڑھ کا نام سُن کر سمجھ گئے اور کہنے لگے یہ تو ہمارے یہاں بڑے پیر مشہور ہیں۔ کام کے وقت ملنا مناسب نہ سمجھ کر افسر موصوف نے انتظار کیا اور فرصت کے وقت جب مزدور کھانے پینے میں لگے تو حضرت مرشدناؒ سے آکر ملے کہنے لگے آپ تو ہمارے یہاں کے بڑے پیر ہیں اور یہاں مزدوروں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ حضرت مرشدناؒ نے ایک خاص لہجہ سے فرمایا، یہی خدمت ہے جو بڑے پیر صاحب کہلاتی ہے ہر انداز اور طور سے معلوم ہوتا تھا کہ خدمت اور عمل بڑی روح ہیں اور کامیابی کے بڑے اسباب۔ متوسلین کو بھی ہمیشہ پیکرِ عمل بننے اور خدمت کو عار کی چیز نہیں بلکہ شرف جاننے کی تعلیم و ترغیب دیتے۔ چاہتے کہ خود انسان کام کرنے والا بنے اور وقت کی غلط روش، آرام طلبی اور تعیش چھوڑ دے، چنانچہ خادم کو جاڑوں کے زمانے میں پانچ چھ میل سے پر لحاف لے کر جاتے اور پہنچنے پر فوراً سوال کرتے "لحاف کو کیا ہوا" جواب میں کہہ کر لحاف دکھانے پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ وہ لحاف اسی طرح پڑا رہتا اور استعمال کے لیے حضرت مرشدناؒ کے گھر میں سے پورا سامان آتا اور واپسی پر پھر خود لحاف سر پر لاد کر اسٹیشن آنا پڑتا یہ غالباً تربیت تھی کہ مولوی ہونے کی بناء پر خود کام نہ کرنا پڑتا تھا، اور اس تربیت سے کام کی اہمیت اور خدمت کی فہم کو بڑھانا اور

خود کفیل بلا احتیاج غیر سے کا عادی بنانا اور کسل اور بے عملی کو دور کرنا منظور تھا۔ فرماتے مولوی صاحب لوگوں کے لیے کرسی لائیے، مقصود ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نفس کے مختلف حجابات ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تربیت کے یہی پوشیدہ اور پُر راز حکمت انداز تھے جنہوں نے بہت سے ناکاروں کو کام کا اور کامیاب انسان بنا دیا۔

غرض یہ سب اس لیے ہے کہ لوگوں کے لیے کام کرنے میں سہولت ہو اور بلا پریشانی اور مختلف زحمتوں میں پڑے بغیر کام کو انجام دیں بہر صورت مقصود کام ہے، خانقاہ سونے کے لیے ہی نہیں، سوانح حیات جوتنے کے لیے ہی نہیں تعلیمات تقدس کا رسالہ ہی جاننے کے لیے نہیں بلکہ یہ مشعل رہنمائی و اقامت گاہ اس لیے ہیں کہ لوگ جگنے جگانے کے قصے پڑھیں، اس کا طریقہ جانیں اور مکان میں بیٹھ کر یہ محسوس کریں کہ یہاں جگنے جگانے کا کام کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ اگر اخلاف اس اہم نکتہ کو بھولیں اور ان کے صحیح مصرف کے بجائے رسمیات بنا کر ضائع کریں، اس لیے جہاں خلفاء یعنی خواص کی ذمہ داریاں ہیں وہاں متوسلین یعنی عوام کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔ یہ سرمایہ سعادت جس کو مرشدناؒ نے اپنا سرمایۂ آخرت بنا کر چھوڑا اور اپنی زندگی میں اکثر اچھے کام کرنے والے نورانی چہروں کو دیکھ کر خوشی میں کبھی فرماتے کہ بھئی میں آدمی کو کام کرنے والا بننے کی خواہش رکھتا ہوں تو کبھی خوشی میں اپنے متواضعانہ لہجے میں فرماتے کچھ اور تو نہیں ہو سکا، قیامت میں یہی نورانی چہرے [illegible] رہا، [illegible] سے معلوم ہوتی کہ گذشتہ کل واصل بحق ہو چکے اور دھوپ شروع ہوئی

آخری ایام اور وصال:

معدہ کی تکلیف اور ریاحی پریشانی بہت پہلے سے تھی جس کی بناء پر کبھی کبھی اشغال میں پورا وقت گزارنے میں خلل ہوتا ۴۲-۴۰ء ہی میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اشارہ ہو چکا ہے کہ وقت قریب آچکا ہے، ہمہ وقت اور ہر لمحہ وقت موعود کا انتظار رہتا۔ کام میں تیزی اور مزید تیزی ہوتی گئی کہ جلد سے جلد تکمیل ہو جائے اور وقت سے پہلے تمام ذمہ داریاں انجام پا جائیں گو ساعت وصال کا ظہور ۱۹۵۹ء میں ہوا مگر معلوم ہوتا تھا کہ مبشرات کے طور پر سالوں پہلے ہی سے اس کا انتظار تھا، معدہ کا علاج ہوتا مگر کوئی تدبیر مفید اور زیادہ کارگر نہ ہوتی، ظاہرا ہوش بھی آہستہ آہستہ جواب دینے لگا، قوی کا اضمحلال بڑھاپے کے ساتھ بڑھنے لگا، کام انجام پا چکے تھے، اہلیہ محترمہ کا وصال ہو چکا تھا، باقر بھائی فرزند ارجمند بھی رخصت ہو چکے تھے، مہمانوں کی آمد کو کم بلکہ بند کر دینا چاہتے تھے، اور عام طور سے لوگوں کو پاس نہ رہنے دیتے، معلوم ہوتا کہ کوئی ایسا عالم ہے جہاں کی مصاحبت میں یہاں کے لوگوں کی گنجائش نہیں، ایک روز صبح سویرے پہنچنے پر دو گھنٹہ کے قریب پاس بیٹھے رہنے دیا۔ دیکھ کر اور لوگ بھی موقع غنیمت جان کر آ بیٹھے، دو گھنٹہ کے بعد فرمانے لگے اچھا آپ لوگ جائیے، لوگ ہٹ گئے اور وہ اپنے عالم میں ہو لیے۔

اور اس تربیت سے کام کی اہمیت اور خدمت کی فہم کو ساتھ ساتھ پریشان

حاضر ہوا، خاندان والے کسی طرح راضی نہ ہوئے کہ کونڈہ چھوڑیں اور دوسری جگہ جائیں، مجبوراً رائے فسخ کرنی پڑی اور سفر ملتوی ہو گیا، کسی عذر سے کچھ دنوں کے بعد لوگ گھر سے شاہ گنج تک لائے پھر وہاں سے ٹرین کے ذریعہ گونڈہ پہنچائے گئے۔ خاندان کے لوگوں میں اختلاف چلا لیکن سمجھا بجھا کر جہاں اچھی طرح خدمت ہو سکے اور خدمت کرنے والے کو آسانی ہو موقع دیا جائے، لوگ مان گئے۔

ایک مرتبہ آخر زمانہ میں لوگوں میں گفتگو چلی کہ وصال کے بعد آپ کا مزار مبارک کہاں رہے گا کیونکہ آپ کے والد صاحب اور ان کے شیخ کا مزار کھلیان میں ہے اور حضرت مرشدنا کی اہلیہ وغیرہ کا مزار باغ میں خیال ہوا کہ یہ بات خود حضرت مرشدنا کی زبان سے صاف ہو جائے تو بہتر ہے ایک شخص پوچھنے پر مامور ہوا، موقع دیکھ کر ایک روز اس نے سوال کیا، آپ نے فرمایا کوئی جانتا ہے کون کہاں رہے گا۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ — اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔

کی طرف ممکن ہے اشارہ ہو۔ خیر کی بات تھی بار بار بحثوں اور فیصلوں کے باوجود کہ حضرت مرشدنا کو بنڈل میں رکھا جائے گا نہ ہو سکا، اتوار کا دن اور ۱۲ بجے کا وقت تھا کہ اندازہ ہوئے بغیر روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی اور چہرہ پر تبسم اور خوشی کی دید تھی، اتوار کے دن گونڈہ سے بار بار ٹرنک کال کے باوجود اعظم گڑھ خبر نہ پہنچ سکی۔ دوشنبہ کے دن دس بجے کے قریب اسکول کی حاضری کے بعد ٹرنک کال سے خبر ملی کہ گذشتہ کل واصل بحق ہو چکے، دوڑ دھوپ شروع ہوئی

کہ کیسے شرکت نصیب ہو۔ روڈویز کی ٹیکسی حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور ایک
بجے کے قریب اعظم گڑھ سے چند ساتھیوں کے ساتھ گونڈہ کی طرف روانگی
ہوئی۔ ٹیکسی فیض آباد جا کر رک گئی، دریا پار کر کے بس ملی، آگے اسٹینڈ پر ڈاک خانہ
سے مغرب بعد ٹرنک کال کر کے یہ کہلایا گیا کہ ہم لوگ پہنچ گئے ہیں، آٹھ بجے
تک آجائیں گے انتظار کریں، بس کنڈیکٹر نے بھی مہربانی کی اور گھر کے قریب اتر
کا موقع دیا، سیدھے مسجد گئے، دھنوکر کے عشاء کی نماز پڑھی گئی، سب لوگ
زیارت کے لیے پہنچے، جسم کفنایا ہوا تھا، چہرہ پر نگاہ پڑی تو پندرہ منٹ
تک ہوش نہ رہا کہ کیا دیکھ رہے ہیں اور کیسے، پندرہ منٹ کے بعد ہوش آیا
بات سمجھ میں آگئی، منہ پر کفن ڈال کر بدستور درست کر دیا گیا، جنازہ باہر لایا گیا
نماز جنازہ کی امامت کا شرف خادم کو میسر ہوا، اٹھایا گیا، کندھا دیا، جنازہ آگے ہو
سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ قبر کے کنارے رکھ کر قبر میں اترے، جنازہ
اتارا گیا، دفن کی ادائیگی ہوئی، لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف رخصت ہو گئے
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اولاد:

پہلی شادی گاؤں ہی میں ہوئی جو اکرام صاحب کی پھوپھی تھیں، ان سے ایک لڑکی
اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ حضرت سید صاحبؒ کی مریدہ تھیں، بڑے صاحبزادے باقر صاحب
سے ایک لڑکی اور پانچ لڑکے ہیں، دوسری شادی سکرور ہوئی، جن سے سات
لڑکیاں ہوئیں، جن میں سب صاحبِ اولاد ہوئیں، سب کے لڑکے لڑکیاں
ہیں، ان میں سے دو انتقال کر چکی ہیں، پہلی بیوی سے چھوٹے لڑکے بچپن

ہی میں انتقال کر گئے، ایک لڑکی ابھی سنجر پور میں موجود ہیں، ان سے لڑکے
لڑکیاں ہیں۔

حضرت مرشدنا چونکہ ہمیشہ مادی تعلقات پر روحانی تعلقات کو ترجیح
دیتے تھے، اس لیے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے جو حقوق واجبہ تھے ان
کی کما حقہ ادائیگی کے ساتھ ہمیشہ روحانی اولاد کو ترجیح دیتے، دسترخوان پر متوسلین
ہوتے، اولاد اور متعلقین نہ ہوتے اکثر ایسا ہوا کہ دسترخوان پر کوئی عمدہ چیز رہی
تو اپنے نواسے کے بجائے روحانی اولاد کی طرف پہلے بڑھاتے اور ان کو دیتے۔

باب دوم

سیرت

اتباعِ سنت:

ہر کام اور ہر بات میں سنّت اور اتباع سنّت کا جذبہ سامنے ہوتا۔ ایک صاحب نے جو روزے نماز کے پابند تھے، ظاہری ڈاڑھی کی سنت ادائیگی کے لیے عذر پیش کیا کہ گردوپیش اور ماحول ایسا ہے کہ ہمت نہیں پڑتی، حضرت مرشدنا نے فرمایا کہ شریعت کے احکام میں نسخ کا حق نہیں، احکام احکام ہیں کچھ دنوں کی صحبت کے بعد اسی طالب نے کہا کہ اب اتباع سنت کا جذبہ محبت سے پاتا ہوں ہوں، محبت میں لَوْمَةَ لَائِمٍ[1] اور کوئی مانع نہیں ہو سکتا، غرض ہر کام میں اتباعِ سنّت کا جذبہ پیشِ نظر ہوتا، ایک شخص جو حضرت مرشدنا کے کسی خلیفہ سے مُرید تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ جن کی صحیح تعلیم و تربیت نہ ہو سکی تھی، خلیفہ صاحب کے انتقال کے بعد طالب نے اپنے رہنے کی جگہ بھی قبر بنا رکھی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے، حضرت

---

[1] کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی

مرشدنا کے یہاں آئے، کہنے لگے مجھے تعویذ بتا دیجئے، اس کی آمدنی سے خدمت کروں گا، تین روز تک مختلف طرح سے پریشان کرتے رہے، حضرت مرشدنا کے سامنے تین دن مسلمان کی ضیافت کا حق تھا،

اَکْرِمُوْا ضُیُوْفَکُمْ اپنے مہمانوں کی عزت کرو۔

کے پیشِ نظر خندہ پیشانی سے جواب دیتے رہے کہ مہمان کے اعزاز میں کمی نہ ہو، تین دن کے بعد خادم بھی پہنچا، اور کچھ اور لوگ بھی، حضرت مرشدنا نے اس شخص کے پریشان کرنے کی شکایت کی۔ فرمانے لگے تین روز سے یہ شخص مجھے پریشان کر رہا ہے، دیکھو صاف ستھرے، باوقار، بردبار، دوراندیش، اور سمجھدار لوگوں کو کام کا پورا موقع دو، رطب و یابس جمع کر دیئے گئے، مگر صفائی ستھرائی، اصلاح و سدھار کا آئندہ ضرور خیال رکھنا کہ متحابون فی اللہ کی باشعور، مقدس اور محترم جماعت بن سکے۔

ایک روز خانقاہ (بنڈل) سے مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف چلے آگے آگے حضرت مرشدنا پیچھے سے دوسرے اصحاب، کلو میاں جو یہاں کے مشہور لوگوں میں سے ہیں، مسجد میں بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان شروع کی، حضرت مرشدنا ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے، مؤذن نے جب اشہد ان محمدًا رسول اللہ کہا تو کلو میاں نے دونوں انگوٹھے بلند کیے، حضرت مرشدنا نے پیچھے سے دونوں بازو پکڑ لیے اور اس وقت تک پکڑے رہے جب تک اذان ختم نہ ہوئی اور وہ اسی طرح رُکے رہے، یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مرشدنا جب کسی چیز کو مناسب نہ سمجھتے تو اس کی روک ٹوک بلا خوف لومۃ لائم فرما

دیتے، یہاں عام مجمع کے سامنے روکنا ایک حجاب بن سکتا تھا۔ مرشد نا رح ہی جیسی ہستیاں مجدد الف ثانی رح کے نائبین اتباع سنت کے ممتاز احیاء اور سنت میں سبقت کرنے والے ہیں، ہر کام اور حرکت میں سنت کی پیروی اور اس کا اجراء پیش نظر رہتا۔

قوتِ تاثیر:

مولانا فصیح احمد صاحب بہار کے ایک مقتدر عالموں میں سے اور حضرت انور شاہ کشمیری رح کے شاگردوں میں سے تھے، ان کا بیان ہے کہ دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رح سے تلمذ کا شرف حاصل ہونے پر جو مسرت رہی وہ بار بار خدا کا شکر بجالانے پر مجبور کرتی، آئندہ کے لیے دعا یہ رہتی کہ طریقت اور سلوک کا کوئی ایسا ہی محترم امام مل جائے تو زہے نصیب، وہ کہتے ہیں کہ حضرت مرشد نا رح کی ملاقات کے بعد یقین ہوا کہ دعاء کو قبولیت کا درجہ حاصل ہوا، اللہ جل شانہ کا صد شکر، آزاد رسول صاحب جو جامعہ کے اُستادوں میں سے بلکہ نگران میں ہیں، ان کا بیان ہے کہ رشد و ہدایت اور روحانیت کی تلاش میں مسجد و مندر، شیخ و برہمن سب تک دوڑ کی، پیاس کو تسکین نہ ہوئی، حضرت مرشد نا رح سے ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ آبِ حیات کے قریب پہنچ گئے ہیں، سیرابی اور زندگی یقینی ہے، خود خادم کو بھی تصوف کے متعلق توہم کا اندازہ ہوتا تھا اور نگاہوں میں حقیقت جگمگاتی نظر نہ آتی، یاس کے عالم میں لاادری کی حیثیت تھی۔ انکار اسلامی وراثت

کی بناء پر ممکن نہیں کہ اقرار عین ایمان ہے، لیکن حقیقت کی تلاش کرید کے انداز پر شعلہ مگن رہتی، بے قراری رجا و یاس کے درمیان کا رنگ دکھاتی، حضرت مرشد نا رح کو پہلا خط اسی انداز کا لکھا، ملاقات میں بھی اپنے سقم کا اظہار کیا، حاضرین میں کچھ کہتے یہ تو عمر خیام کے سے ہیں، کوئی آزاد بتاتا کوئی کچھ حضرت مرشد نا رح کا جواب کہ کرو اور صحبت کے رنگ نے سب کچھ قائل اور مقر ہونے پر مجبور کر دیا۔ باطن ظاہر میں حق اور زیادہ مثبت معلوم ہونے لگا۔ ظاہر میں ممکن ہے توہم کی گنجائش مگر باطن روز روشن کی طرح عیاں ایسے میں حضرت مرشد نا رح کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ مایوس آئے یا محروم، مخالف ہو یا معاند سب کے سب مرادیں پا کر جاتے، مرید ہو جاتے اور ہمیشہ حق اور صداقت کا دم بھرتے، کوئی اپنی تنگ ظرف کا گلہ کرتا کوئی عدم تحمل کا عذر پیش کرتا، کوئی ہائے وائے کرتا، چیختا چلاتا، بے قراری میں تڑپتا از خود رفتہ ہو جاتا اور یہ سب حالات مجلس میں ایسے گزرتے کہ بے ساختہ کہنا پڑتا ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

حضرت مرشد نا رح کی والدہ کو قلب کے بارے میں فیض کا احساس جب نہ ہوتا دوسرے لوگ یہ کہہ کر تسکین دیتے کہ قلب خشک ہو گیا ہے، ایک روز والدہ محترمہ نے حضرت مرشد نا رح سے کہا کہ میرے قلب سے تو لوگ مایوس سے ہو چکے ہیں کہتے ہیں خشک ہو گیا ہے، مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا، حضرت نے چاشت کے وقت فرمایا وضو کر کے آیئے، والدہ محترمہ مراقب ہوئیں، تھوڑی دیر کے بعد ایسا اثر ہوا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

خادم کو ہر قسم کی بند سواری پر چکر آتا۔ حضرت مرشدنا کے یہاں سواری کی گاڑی تھی جس پر چلنے میں کافی تکلیف محسوس ہوتی، آپ سفر کے لیے روانہ ہوئے، خادم گاڑی کے پیچھے پیچھے چلا، جہاں سے گاڑی اور پیدل کا راستہ الگ الگ ہوتا، پیدل کے راستہ کی طرف الگ ہونا چاہا، حضرت نے فرمایا کیا ہے عرض کیا گاڑی پر بیٹھنے سے چکر آتا ہے، پیدل کے راستہ سے حاضر ہو رہا ہوں۔ سخت لہجہ میں فرمایا بیٹھو جی تمہیں معلوم نہیں کن کن سواریوں پر سوار ہونا ہے اس کے بعد الحمدللہ کہ چکر کا اثر نہیں ہوا۔

حضرت مرشدنا ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک ایسے طالب آئے جن میں کچھ روشنی کارِ خیر کی بنا پر موجود تھی، پہلی مرتبہ جب قلب کی توجہ دی گئی تو اوندھا ہو کر گر پڑے، نبض پر ہاتھ رکھا، ساقط نظر آئی، تشویش ہوئی، ایک گھنٹہ کے بعد حضرت مرشدنا اپنے مقام پر آئے، طالب کو دیکھا گیا، اُٹھے ہوئے ہوا، دوسرے دن پھر آئے، یہی کیفیت رہی، تیسرے دن بھی جب یہ کیفیت رہی تو حضرت مرشدنا نے ان سے فرمایا کہ بعد عشاء میرے کمرے میں آیئے، طالب کمرے میں داخل ہوا، حضرت مرشدنا نے درود شریف شروع کیا، طالب متوجہ ہو کر بیٹھا، حضرت مرشدنا فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کے قلب کے ابتدائی حصہ میں روشنی ہے اور اوپر ظلمت کے حجابات، طائرِ انسانی میں جب حرکت ہوتی پرواز کرتا اور حجابات میں گم ہو جاتا، طالب بے ہوش ہو کر گر جاتا، آپ فرماتے ہیں کہ طائر کو پرواز کرنے سے روک کر آگے حجابات دفع کرنے کی کوشش کی ایک خط جب

صاف ہوتا تو پورا کمرہ اندھیرا ہو جاتا، پھر ایک نورانی ہوا آتی ظلمت کو اڑا لے جاتی اس طرح گھنٹہ بھر محنت کے بعد اُوپر کی تاریکی ختم ہوئی، طائرِ انسانی چھوٹا گیا پرواز آسان ہوئی اور غشی اور بے ہوشی کی کیفیت دور ہو کر ہوش کا انداز ہوا، اس طرح پر کیفیات کے ورود کے وقت کم قلوب ایسے ہوتے جو متحمل ہو سکتے۔ غیر کو مراقبہ کے اوقات میں شرکت کی اجازت نہ ہوتی کہ ممکن ہے وہ نہ سمجھ سکے اس کا بوجھ دوسرے کے لیے ثقل کا باعث ہو، کوئی بیتابی میں تڑپتا اور ایسا کہ اس کی جان پر بن آتی، کوئی چیختا اور چلاتا تو معلوم ہوتا کہ قلب و جگر دونوں جواب دے چکے ہیں اور حیات کی آخری ہچکیاں لے رہا ہے، ایک مجلس میں کسی طالب پر بہت دیر تک کیفیت باقی رہی، لوگوں سے پوچھا کہ اس کی وجہ جانتے ہو، لوگ خاموش رہے فرمانے لگے کہ حضرت سید صاحبؒ فرماتے تھے کہ چیونٹی کے سوراخ میں اگر اونٹ جائے کیسا ہو، اس کی مثال کو سمجھو اور غور کرو، کوئی اللہ اللہ کہہ تسکین دیتا، کوئی رو رو کر دل کی گرمی کو کم کرتا کوئی مجسم صبر و استقلال بن کر چلتا اور بھنتا کوئی عیاناً مشاہدہ میں مستغرق، کوئی لیطمئن قلبی کا سا بے قرار، کسی سے سبحانک تبت کے آثار ہویدا، ورنہ کم سے کم گلستانست ہو نابینا رہتا۔ مگر لطف و لذت سے ہر ایک آشنا اور محظوظ نظر آتا۔ غرض تاثیر کا اندرونی یا ضبط وارفتگی کی بناء پر ایسا رنگ ہوتا کہ دوست تو دوست دشمن بھی گرویدہ ہو جاتا، مخالفین سمجھتے کہ کوئی جادو ہے جو اس طرح زود اثر ہے۔

علمی تبحر:

شاہ گنج اسٹیشن سے پانچ چھ میل کی دوری پر کوہنڈہ گاؤں ہے، جہاں آپ کا قیام رہتا تھا، نہ وہاں کوئی کتاب تھی، نہ درس گاہ، مگر مضامین کی آمد الٰہی ہوتی کہ جو مضمون شروع ہوتا اسباب و علل کے ساتھ مفصل بیان ہوتا۔ ایک روز ناشتہ ہو رہا تھا، ذہن میں وسوسہ ہوا کہ حضرت کچھ تصوف کے متعلق جس فن کے آپ امام کی حیثیت رکھتے ہیں بیان کر سکیں گے، خادم خلفاء راشدین اسکول میں بچوں کو پڑھاتا تھا خیال ہوا کہ اس کے متعلق کیا بیان ہوگا، وسوسہ ابھی ذہن ہی میں تھا کہ بات شروع ہوئی اور تفصیل سے ڈھائی گھنٹہ تک خلفاء صحابہؓ اور ان کے حالات اس انداز میں بیان کرنا شروع کیا کہ شاید کوئی اپنے گھر کے حالات نہ بیان کر سکے، ہر نکتہ کی دلیل اور وجہ بیان کرتے جاتے، سن کر عجیب حیرت کا عالم رہا کہ یا اللہ یہ علوم کا فیضان کتنا بڑا انعام ہے۔ مبارک پور میں تشریف فرما تھے، مسائل کا ذکر تھا مزارعت کے متعلق بیان ہو رہا تھا، خادم بھی ایک گوشہ میں تھا، پوچھا مولوی صاحب آپ نے دیکھا، میں خاموش رہا، آپ فرمانے لگے آپ لوگ کتابیں نہیں دیکھتے، کسی مسند کا حوالہ دیا جس میں یہ مسئلہ تھا ایک شب کا قصہ ہے کہ حضرت آرام فرما رہے تھے اور سونے کا وقت قریب تھا کہ حماسہ کے اشعار اور جن جنگوں میں وہ کہے گئے تھے سنانے اور بیان کرنے لگے، حیرت رہی، حماسہ خادم نے پڑھا تھا، یاد آیا کہ فلاں جگہ کے یہ اشعار ہیں مگر جہاں نہ کتاب ہو اور نہ ظاہری تعلیم اشعار کی یاد ایک عجیب حیرت میں ڈالنے

والی چیز تھی ہنس کر فرمایا، کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ علم لدنی ہے، یہ جملہ خادم نے چاٹگام کے کسی سفر میں سنا تھا کہ کسی بڑے نے کہا تھا کہ ان کی کیا بات ہے ان کو تو علم لدنی ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے متعلق چاٹگام میں یہ سن چکا ہوں۔

تحمل و بردباری:

اگر کبھی مریدین کے لیے تنبیہہ اور زجر کی ضرورت پڑتی تو فوراً ہی ضبط اور تحمل کے بعد ہنس کر اس کا غم غلط کر دیتے، ایک مرتبہ حضرت سید صاحبؒ کے مشفقانہ انداز تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، حضرت سید صاحبؒ کو کبھی غصہ نہ آتا، اپنے لیے فرمانے لگے کہ میرا بھی جب تبلیغی سفر میں ہوتا ہوں یہی حال ہوتا ہے، گھر پر تو زمینداری کے کام کی بنا پر الجھاوے کا امکان ہے۔

تواضع و خاکساری:

حضرت مرشدناؒ کا لباس سادہ لمبا کرتا، گول ٹوپی، لنگی، کرتے کا چاک بند، بیشتر چادر، کبھی کبھی کرتے کی جگہ پر پوری آستین کی بنڈی، یا جامہ بھی کبھی پہنتے مگر سب میں سادگی ملحوظ رہتی۔ اپنے لوگوں کو بھی سادہ زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے۔

سفر ہو یا حضر متوسلین کے ساتھ ہمیشہ احترام اور برابری سے پیش آتے کبھی اپنے لیے کوئی خاص امتیاز پسند نہ فرماتے، ماسٹر علی صاحب نے اپنی

لڑکی کی شادی میں مدعو کیا، حضرت مرشدنا کے ساتھ سلسلہ کے کچھ اور لوگ
تھے، اسٹیشن پر ٹرین ۱۲ بجے رات کے بعد پہنچی، معلوم ہوا کہ ایک پالکی آئی
ہے، حضرت مرشدنا نے فرمایا کہ پالکی واپس کردی جائے، اور صبح پیدل
ساتھیوں کے ساتھ کئی میل کی مسافت طے کی، مئی کا مہینہ تھا، گرمی کی شدت
تھی، کچھ دور چلتے، ستاتے، خربوزہ ساتھ تھا کھایا جاتا، شربت پیا جاتا
آگے روانہ ہوتے، واپسی پر جب سب لوگوں کے لیے سواریوں کا انتظام ہوا،
حضرت مرشدنا پالکی سے اسٹیشن تشریف لے آئے۔ کوہنڈہ سے جلاں پور
تیرہ چودہ میل کے فاصلہ کی مسافت ہے، سلسلہ کی تبلیغ کے لیے پیدل اتنی
لمبی مسافت طے کرتے اور جاتے، وہاں ظہور بھائی حضرت مرشدنا کے پرانے
متوسلین میں سے تھے جن کے ذریعہ جلاں پور میں کام جاری ہوا اور بہت سے
لوگ کام میں لگے، شاہ گنج کوہنڈہ سے چھ میل کے قریب ہے، وہاں بھی تعلیم
دینے کے لیے پیدل تشریف لے جاتے، قیام کرتے اور پیدل واپس تشریف لاتے جذبۂ
تبلیغ اس حد تک تھا کہ کسی طرح چین نہ ہوتا، ہمیشہ سامنے رہتا کہ کیسے اللہ کے
بندوں کو اللہ سے جوڑا جائے اور کیسے بیش از بیش ذاکر شاغل بنایا جائے۔

ایثار و اخلاص:

ٹاٹا نگر سے مجیب الرحمٰن صاحب حضرت سید عبدالباری شاہ رح کے حالات
سُن کر ملنے کی خواہش میں چلے، بتلانے والے نے پتہ کوہنڈہ کا بتایا، شاہ گنج سے
گاڑی سے اترنے کے بعد کوہنڈہ پہنچنے میں دیر لگی۔ غالباً ایک بجے رات

کے قریب پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، کھلا، ملاقات ہوئی کہاں سے آئے، کس
غرض سے آئے، اور فوراً چائے حاضر کی اور کھانا پیش کیا، مجیب الرحمان
صاحب اس اخلاص کو دیکھتے جاتے اور دل ہی دل میں حیرت کرتے کہ کیسے
خادم ہیں کہ ایک اجنبی کے لیے اس وقت اتنی تکلیف اٹھا رہے ہیں، ان کو
یقین تھا کہ یہ پیر صاحب نہیں ہو سکتے یہ آرام کا وقت تھا اور پیر کے معنی
اس طرح کی تکلیف کے نہیں کیونکہ وہ خود خانقاہی حالات سے پورے واقف
ہیں، کھانا پینے کے بعد متوجہ ہوئے، پوچھنے لگے پیر صاحب سے کب
ملاقات ہوگی، حضرت مرشدنا نے فرمایا مجھی کو لوگ پیر صاحب کہتے ہیں۔
یہ حیرت میں رہ گئے کہ دنیا میں اوّل تو خلوص نایاب پھر اگر کہیں ملتا ہے، تو
بے غرض نہیں، یہ کیا بات ہے کہ اس طرح کا خلوص ہے۔ حضرت مرشدنا ایک
مرتبہ فرمانے لگے کہ جب میں سنتا ہوں کہ فلاں شخص بڑا مخلص ہے تو میں اس
کے چہرے کی طرف استعجاب سے دیکھتا ہوں کہ یہ کون بندۂ خدا ہے، جو
اخلاص کی اتنی بڑی دولت کا مالک ہے۔ ایک مرتبہ ہم لوگ غسل کر رہے تھے
حضرت مرشدنا تشریف لائے اور بہت شفقت آمیز انداز میں پائپ چلانے
لگے، فرمانے لگے سر نیچا کرو، دیکھو صوفی کے سر میں گرمی ہوتی ہے، یہی تھیں وہ
شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی کہ جن سے بوستانِ دہر برسوں تک معطر رہا، اور
تصوف، ایثار و اخلاص اور فدائیت کی تعلیم اور نمونہ پیش کرتا رہا اور حضرت مرشدنا
کے یہاں قدم قدم پر یادِ رفتگاں دلاتا رہا، کسی متوسل کے کانٹا چبھتا تو درد کا
اظہار، کسی کو درد ہو تو بے قراری، اولاد تھے تو یہی روحانی، اعزہ و اقربا تھے تو

یہی باطنی۔ اپنا سب کچھ اللہ والوں کے لیے وقف سمجھتے، ایک مرتبہ خادم نے عرض کیا کہ میں دِلّی تھا میرا ارادہ آگے جانے کا رہا مگر پیسوں کی کمی کی بنا پر نہ جا سکا، فرمایا کیوں نہیں لکھا، پیسہ نہ ہوتا تو میں چاول بیچ کر بھیجتا۔ آپ کے صاحبزادے باقر بھائی ایک مرتبہ کہنے لگے مولوی صاحب میرے والد صاحب کا خرچ ہی کیا ہے۔ ڈیڑھ روٹی، اب میں رہوں گا، میں خود انتظام کروں گا۔ اتنا سب کچھ پیدا ہوتا ہے سب خرچ ہو جاتا ہے۔ صحیح بات ہے کہ دستر خوان پر حضرت مرشدنا کے لیے جو کی چھوٹی چھوٹی دو ٹکیاں آتیں جن میں ایک کی آدھی تناول فرماتے ڈیڑھ رہ جاتیں تو باوجود ضرورت نہ ہونے کے خادم کھا جاتا وہاں صرف چوتھائی کا خرچ تھا، پوری تن دہی اور انہماک سے کھیتی میں مشغول رہتے، اس کے خرچ میں بھی صدقات اور زکوٰۃ واجبہ کے بعد سب کچھ اہل اللہ اور صرف اہل اللہ کے لیے ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اپنے کو قوت لایموت کے لیے کسب محنت کا ذمہ دار جانتے اور سب کچھ اللہ کے لیے رکھتے۔

اعتدال و وسعت نظری:

عام انسانیت میں بعض وقت بڑے بڑے اختلافات رونما ہوتے، شیخ جس مسلک کا ہوتا اس کے متبعین بھی اسی مسلک کے، حضرت مرشدنا کا مسئلہ کے ایک رخ کا خیال تھا مگر آپ کے متبعین میں لوگ دوسرے رُخ کے بھی قائل تھے اگر کوئی اس وسعت نگاہی کو نہ سمجھ کر کبھی پوچھتا کہ آپ کے بعض مخلص آپ کے رخ کے سے نہیں نظر آتے تو بہت حق پسندی کے ساتھ فرماتے

بھائی یہ مسئلہ تصوف کا نہیں اجتہاد کا ہے۔ علماء ادھر بھی ہیں اُدھر بھی اس لیے اختلاف کی گنجائش ہے، اس اجازت کے باوجود آپ کے مخلصین از خود نادم اور تائب ہوئے، بعض وقت سرمو اختلاف بھی مناسب نہیں رہتا، بستی سے ایک خط آیا جس میں سوال تھا کہ ہم لوگ کیا کریں، حضرت مرشدنا نے جواب دیا کہ علماء کا احترام کرو، اپنے حق کو اپنے خیال کے مطابق استعمال کر سکتے ہو۔ یہ خط اس انداز کی بنا پر لکھا گیا تھا کہ خاص لوگ اپنے خاص طریق کو سمجھنا چاہتے ہیں، لوگوں نے اس خط کو عام کر دیا جس کا عام اثر ایک جماعت کی موافقت کا پڑا جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمانے لگے کہ میرا خیال نہیں تھا کہ یہ خط عام کیا جائے مگر اس سے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا، اپنی رائے کو کسی پر زبردستی ٹھونسنا نہیں چاہیئے، گو مسلک میں استحکام تھا، لیکن اگر کوئی شخص اس سے اپنی موافقت کا فائدہ اٹھانا چاہتا تو پسند نہ فرماتے کہتے کہ آزادی رائے کی گنجائش ہے۔ کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ جہاں آپ کے متوسلین ہیں اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر مسلک ظاہر فرما دیں، مگر آپ نے پسند نہیں فرمایا، اس طرح اعتدال اور توازن گڑبڑ کے دور میں بھی قائم رہا۔

متوسلین میں سخت بھی تھے اور نرم بھی، موافقین بھی تھے، مخالفین بھی مگر جس طرح اسلاف میں اختلاف کی قدر کی جاتی تھی اور اس کا احترام ضروری تھا یہاں نمونۃً پیش رہا، متوسلین آپس میں خود اختلاف رائے رکھتے ہوئے متحابون فی اللہ کے ایسے مظاہر تھے کہ ایک جگہ ایک صاحب ایک خیال کے موافق بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلسلہ کے دوست بھائی جوان کو پہچانتے نہیں

تھے آئے اور جاء الحق و زھق الباطل گھوم گھوم کر پڑھ کر چلے گئے
دوپہر کے وقت ایک صاحب سے ان کی بحث چل رہی تھی، کچھ لوگ جمع ہو
گئے تھے، ایک خیال کے موافق صاحب نے دیکھا اور وہاں پہنچ گئے، بحث
رک گئی ان میں سے ایک سے پوچھا گیا ان کو پہچانتے ہو، کہا نہیں، دوسرے
سے پوچھا گیا آپ ان کو پہچانتے ہیں، انہوں نے کہا نہیں، ایک دوسرے کا
نام لیا گیا، نام ایک دوسرے کا جانتے تھے، تعارف ہوتے ہی دونوں ایک دوسرے
سے گلے مل کر الگ چلے گئے، نہ بحث رہی نہ تکرار اور آپس میں اخلاص اور سلسلہ کی باتیں کرنے لگے
ایک اور صاحب بھی جو اپنے خیال کے سخت تھے جن کے متعلق اشدا کا مژدہ بھی تھا مگر جب اپنے سلسلہ
کے لوگوں کو دیکھتے تو ایسے نرم ہوتے کہ رحماء بینھم کا ثبوت ملتا۔

ایک صاحب جو کسی جماعت سے منسلک تھے ایک روز اپنے کچھ ساتھیوں
کے ساتھ حضرت مرشدنا رح کے پاس آئے اور پوچھنا چاہا کہ حضرت سید صاحب
نے جو فرمایا کہ میرا کام اللہ کے بندے کو اللہ تک پہنچانا ہے، کیا مراد ہے
حضرت مرشدنا رح نے اشارہ کیا کہ مولوی صاحب سے پوچھو، مجلس میں دیر تک
خاموشی رہی تو حضرت مرشدنا رح نے محسوس کیا کہ خاموشی فرطِ ادب کی وجہ سے
ہے تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور ان سے کچھ دیر
اس موضوع پر گفتگو رہی غالباً اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ جل شانہ نے اپنے
فضل اور مہربانی سے مشائخ کے ساتھ بعض بعض کرامتیں اور اعزاز وابستہ
کئے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو اللہ جل شانہ نے یہ مرتبہ دیا
تھا کہ مقام ولایت پر بلند فرماتے اور اصالۃً یہ کام آپ سے انجام پاتا،

حضرت مجدد الف ثانی رح نے فرمایا کہ مقام ولایت پر بلند کرنے کا کام وہ حضرت
بڑے پیر صاحب کی نیابت میں کرتے ہیں، کہ یہ ان کے مخصوصات میں
سے تھا، حضرت سید صاحب رح کو اللہ جل شانہ نے یہ اعزاز بخشا تھا کہ اس
مقام پر بلندی کا کام اصالۃً کرتے، ایک مجلس میں حضرت مرشدنا رح حضرت سید
صاحب رح کے فضائل اور خصوصیات بیان فرما رہے تھے تو فرمایا حضرت سید
صاحب رح زندگی میں یہ کام اصالۃً انجام دیتے تھے نہیں کہہ سکتا کہ وصال کے بعد
کیا صورت ہو، مجلس میں حضرت کے خلیفہ جمعدار صاحب جو پرانے اور تکمیل
تک پہنچے ہوئے تھے، بول اٹھے کہ حضرت اب بھی وہ تصرف باقی ہے، تو
اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ جل شانہ جب کسی بندے کو ولایت تک پہنچنے
کا شرف بخشتے ہیں تو مقام ولایت پر فائز ہونے کا اعزاز خاص خاص ہستیوں
سے تکمیل کرلیا جاتا ہے، اس طرح سے اللہ تک پہنچنے کا مفہوم سمجھ میں آتا
ہے، بات ختم ہونے پر وہ صاحب اپنی رہائش گاہ پر چلے گئے، سوچنے سمجھنے
کے بعد شام تک رائے قائم کی کہ تصوف کی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے اور اندازہ
کرنا چاہیئے کہ حقیقتاً یہ کیا چیز ہے، گفتگو سے تو بڑی خوبی اور بلندی کی بات
سمجھ میں آئی، دوسرے روز آئے اور درخواست کی تعلیم کی جائے، حضرت
مرشدنا رح نے خادم سے کہا کہ ان کی تعلیم کیجئے، خادم چونکہ حضرت مرشدنا رح کا مسلک
جانتا تھا کہ اکثر فرماتے کہ دو مختلف مسالک پر قائم رہتے ہوئے ربط آسان
نہیں، عرض کیا کہ حضرت یہ تو دوسرے خیال کے ہیں، جواب دیا کہ بتائیے
یہ نیک ہیں۔ تعلیم شروع ہو گئی۔ ان کے دوسرے ساتھیوں کو جب علم ہوا تو

ان کو سمجھانے لگے کہ یہ کچھ نہیں ہے، صرف خیالی بات اور خیال کا جمار ہے، عجوب معلوم ہے، ان میں احساس شروع ہو چکا تھا، کہنے لگے مجھے پورا اندازہ کر لینے دیجئے۔ میں تو اب تک اللہ کی طرف توجہ کا مفہوم نہیں سمجھا تھا، مقامی لوگ جب نہ روک سکے تو آگے شکایت بڑھی مگر اُوپر سے کوئی سختی نہیں آئی، غالباً جواب میں تھا کہ وہ چاہتے ہیں تو وہ آزاد ہیں۔ وہ صاحب اب تک قائم ہیں اور تعلیم تصوف کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں، ممکن ہے اپنی نیکی کی بناء پر دونوں نباہ سکیں کیونکہ اگر کسی کے اندر کوئی منفی پہلو نہ ہو تو اثبات میں اتفاق ممکن ہے، ساری خرابیاں منفی پر زور صرف کرتے اور ایک دوسرے کو طعن و تشنیع و موردِ الزام بنانے کی وجہ سے ہیں، ساری صلاحیتیں اسی میں ضائع ہو جاتی ہیں اور حقیقی مثبت پہلو جو مشترک اور متحد ہوتا ہے بے کار ناقابلِ توجہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح پر حضرت مرشدنا رح مسائل میں اعتدال اور مسالک میں پوری احتیاط برتتے، جماعت کے اصول کا لحاظ کرنے اور اشخاص کی شخصیتوں اور ان کی کیفیات پر بھی نگاہ رکھتے، ایک روز کسی مجلس میں سماع کے متعلق سوال ہوا، سائل نے کہا کہ آپ کیوں نہیں سنتے ہیں، حضرت خواجہ اجمیری رح تو سماع کے قائل تھے، جواب دیا روایتوں کا کیا اعتبار، کیا یہ بات آپ روایتی احتیاط اور سندی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر کہتے ہیں، اور اگر صحیح بھی ہو تو تقلید امام ابو حنیفہ رح کی ہے نہ کہ کسی شیخ کی، سماع کی حیثیت غذا کی ہے یا دوا کی؟ بعض حضرات تربیت کے لیے سماع کو ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ روحانیت کی یہ غذا ہے اور اس سے

سلوک کی تکمیل ہوتی ہے، دوسرے حضرات اس کے قائل ہیں کہ غذا کی حیثیت نہیں بلکہ اس کی حیثیت دوا کی ہے اور جس کا مقام وقتی ہوتا ہے، دوا مریض کے ساتھ قائم نہیں رہتی بلکہ اپنے اثر سے مرض دفع کرتے ہوئے خود ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح کسی انقباضی کیفیت میں ابتلاء کی بناء پر اس کو اختیار کیا جاتا ہے، اصحاب نقشبندرح کا مسلک یہ ہے کہ نہ ایں کار میکنیم نہ انکار میکنیم۔ حضرت مرشدنا رح کا فرمانا کہ تقلید امام ابو حنیفہ رح کی ہے اسی طرح کا بڑا اشارہ کرتی ہے کہ جس سے مشائخ کی عظمت کا لحاظ بھی ہے اور اصل مسلک کا اظہار بھی، تصوف کی تعلیم آپ کا مخصوص فن ہوتے ہوئے اعتدال کا مقام رکھتی تھی۔

استقامت:

اپنی روزانہ اور سالانہ زندگی کا ضبط اور اس کی پابندی جس استحکام اور استقامت کے ساتھ کرتے وہ مداومت کی ایک بڑی مثال ہے اور اپنے لوگوں سے بھی یہی چاہتے کہ وہ بھی اس کا نمونہ بنیں۔ کبھی فرماتے ہیں تو اپنی باری جاگ رہا اب جاگ جس کی باری ہے، کبھی فرماتے حضرت سید صاحب رح کا نمونہ نیو، پھل سے درخت پہچانے جاتے ہیں، زندگی کا ہر لمحہ دینی بے چینی اور درد میں گذرتا، اپنا اصلی شفیق اور عزیز اسی کو جانتے جو اس کام میں سب سے زیادہ جوشیلا ہو، چاٹگام کے سفر میں بہت سے بااثر تاجروں نے چاہا کہ اپنے یہاں مہمان کریں اور تمام شرکاء کی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پورا سامان

کی مگر ایسی جگہ اور ایسے لوگوں کی دعوت قبول فرمائی، جہاں نہ کوئی زیادہ راحت کا سامان تھا اور نہ زیادہ کشش۔ غالباً دور اندیش نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ یہ کمزور غیر ممتاز لوگ مستقبل میں کچھ [illegible] کی اہلیت رکھتے ہیں۔

باقر بھائی مرحوم بڑے ہو گئے تھے اور دنیاوی کاموں میں ہاتھ بٹانے کے قابل مگر یہ بھی عجیب اُفتاد تھی کہ شریک کار نہ رہ سکے اور الگ جا کر کاروبار کیا، اس طرح حضرت مرشدنا کو ظاہری رکاوٹیں نہ روک سکیں بلکہ باطنی تائید اور مدد پر شمع ہر رنگ میں جلتی رہے سحر ہونے تک کا نمونہ بنے رہے، شادی ہو یا غمی، کھیتی کی ضرورت ہو یا کوئی اور کشش، اوقات کی باضابطگی میں خلل نہ ڈال سکتی تھیں اور نہ اس کے اہتمام میں فتور، ضبط اور اہتمام جہادِ زندگی کی بھرپور واریں ہیں آپ ہمیشہ اس سے آراستہ اور کاربند رہے۔

حق گوئی:

ایک مرتبہ کوئی واعظ شہداء کے مدارج بیان کرتے ہوئے ان کا تفوق اور برتری اس طرح بیان کرنے لگے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد انہیں کا درجہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد جب انہیں کے امتیازات ہیں، حضرت مرشدنا بھی تشریف فرما تھے، ٹوکا، فرمایا کہ نبیین کے بعد صدیقین ہیں پھر شہداء اور صالحین، اس طرح سے بیچ کی ایک کڑی کو آپ نظر انداز کیوں کر رہے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے کرم کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔

حق گوئی سے نہ مجمع روک سکتا تھا نہ مجلس کیونکہ اہلِ حق حق سے خاموشی کو بڑا گناہ جانتے ہیں۔

تحقیقی علم اور رائے:

حضرت مرشدنا کا علم ہمیشہ تحقیقی اور محقق ہوتا، اذعانیات پیش نظر رہتے ظنیات، رواجی باتوں اور مشتبہات کی طرف توجہ نہ ہوتی، ہر مسئلہ کو جانچ لیتے اور سمجھ لیتے، ایک روز ایک پڑھے لکھے کی زبان سے نکلا کہ فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا، حضرت نے فرمایا فرعون دریائے نیل میں غرق نہیں ہوا تھا۔ ان پر ان صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ مشہور اور رائج بات تو یہی ہے، آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کیونکہ دریائے نیل اس کے محل سے ہل کر ہے، موسیٰ علیہ السلام کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل جانا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ ان بندوں کو راتوں رات (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔

کے حکم پر ہوا، اور وہ شہر سے چل دیئے، فرعون بعد میں ان کے پیچھے چلا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ۔

پس سورج نکلنے کے وقت ان کو پیچھے سے جا لیا پھر دونوں جماعتیں آپس میں

ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے بے تابی کا اظہار کیا

قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۔ — تو موسیٰؑ کے ہمراہی کہنے لگے اے موسیٰؑ ہم تو ہاتھ آ گئے، موسیٰؑ نے فرمایا ہرگز نہیں

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ — کیونکہ میرے ساتھ پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راستہ بتا دے گا۔

سامنے بحرِ قلزم تھا، اصحاب کو گھبراہٹ تھی کہ پیچھے دشمن سامنے سمندر، نجات کی کیا صورت ہو۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا۔

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ — پھر ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ — وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑا پہاڑ۔

دوسرا گروہ بھی قریب ہو گیا، اللہ جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو غرق ہونے سے بچا لیا اور دوسرے ڈوب گئے، یہاں بحر سے بحرِ قلزم مراد ہے، اگرچہ مشہور دریائے نیل ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو موسیٰ علیہ السلام کو جس دریا میں ڈالنے کا حکم ہوا تھا وہ ضرور دریائے نیل تھا۔

عصرِ حنفی کے لیے دو مثل سایۂ اصلی چھوڑ کر ہونا چاہیئے، سایۂ اصلی کی نہر

ہر مہینے الگ الگ اور جدا جدا ہے، یا دو مثل، ایک روز فرمایا دیکھو عصر کا وقت ہو گیا، جب ناپا گیا جواب دیا گیا کہ سایہ دو مثل سے زیادہ ہے مگر آج کا سایہ اصلی معلوم نہیں کہ اس کو منہا کر کے صحیح بات معلوم کی جائے فرمایا سایہ اصلی قد کے موجودہ سایہ اور خط سے سیدھا خط مستقیم کھینچ کر دونوں کو ملا دینے سے جو فرق ہو گا وہ ہمیشہ کا سایہ اصلی ہو گا۔ ایک روز ذکر چلا کہ کسی نے فرض کی تیسری چوتھی میں سورۃ ملا دی تو کیا حکم ہے فرمایا کچھ نہیں، حاضرین میں سے بعض کا خیال ہوا کہ جو واجب نہ ہو اس کے کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں، ترکِ واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

اکرامِ مومن:

حضرت مرشدنا کے نزدیک انسانیت کا ایک مقام تھا اور اسی کے ساتھ اکرامِ مومن کی بھی اہمیت تھی، وہاں ذات اور نسل، حسب نسب نہیں سامنے رہتا بلکہ چھوٹا ہو یا بڑا، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ بنیاد خوبی اور کمال ہوتا۔ کوئی اور چیز نہیں، ایمان کی ابتداء کلمہ کے اقرار سے جانتے کیونکہ وہ عامی مومن جو ظاہری معصیت میں گرفتار ہے ممکن ہے ایسی ساعت پا جائے کہ اس کا نورِ ایمانی چمک اُٹھے اور خاتمہ بخیر ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نوجوان جو ابھی غفلت میں پڑا ہے کسی ایسے وقت پر جہاں دوسرے لوگ ضعیف اور ناتواں ہوں، اپنے ایمانی جذبہ کی بناء پر وہ کام کر جائے جو دوسروں سے نہ بن سکے، اس لیے ایمانی گرمی اور حرارت کلمہ کے اقرار کے بعد ہی سے انسان میں آ جاتی ہے، اور بیشتر

مشاہدات اور واقعات ایسے ملتے اور ملے ہیں کہ انسان ظاہر میں خرابیوں سے خراب رہا، لیکن اس کو کلمہ کی برکت کی بنا پر اللہ جل شانہ نے ایسے کام کی توفیق دی کہ اس کے لیے آخرت کی خوبی کا ذریعہ بن گیا۔ اس لیے کلمہ کی بڑی قدر تھی، کلمہ ایمانی کو جاری اور عام کرنے اور اس کے انوار کو بالفعل لانے کی پوری کوشش رہتی کہ مومنین صدیقین کی راہ پر چل کر اخلاص اور احسان کی دولت سے بھی مالا مال ہو جائیں اور اسی طرح پر اول کلمہ گو سے لے کر صدیق اکبرؓ تک درجات اور درجات ہیں ممکن ہے آگے بڑھا ہوا شخص پیچھے والے کو اپنے جذباتی رنگ میں مومن سمجھتا ہو، مگر ایمان کی ابتداء لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار ہی سے جاتی ہے۔

وفود و ضیوف کی خدمت:

آپ کا مہمان اور عزیز اللہ اور اللہ کے رسول کا مہمان اور عزیز ہوتا، بیٹے دوسرے رشتہ دار اگر آتے تو دوسرے دروازے سے آتے اور چلے جاتے لیکن دسترخوان پر ساتھ تناول کا شرف صرف ذاکرین شاغلین کو حاصل ہوتا، فرماتے لوگ اولاد سے محبت آئندہ یادگار کے لیے کرتے ہیں، صحیح یادگار تو یہی باطنی اولاد ہیں اور یہی آخرت کا سرمایہ، ہمیشہ وصیت فرماتے کہ وفود اور ضیوف کی خدمت کی کوشش ویسی ہی کرنا جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے یہاں آنے والوں کی کرتے، اس خدمت کی انجام دہی سنت کے طریق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیشہ کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ حضرات پاکستان سے آئے اور ہندوستان

کے مختلف مقامات کا دورہ کرنے کے بعد مانک پور سے پیدل کوہنڈہ پہنچے حضرت نے پوچھا کیسے آئے کیا بات ہے، ان میں سے ایک صاحب نے جو ہوش میں نہیں تھے بتایا کہ ان کو کشفی طور پر حکم ہوا تھا کہ فلاں فلاں جگہ کا سفر کریں، چنانچہ اس کی تعمیل کی اور مانک پور سے جب روپیہ ختم ہو گیا تو پیدل آئے ہیں اس سے اصولی طور پر چلنے کو ناگوار فرمایا مگر خاموش رہے، فرمایا کہ ضیافت کا تین دن کا حق ہے، اس بنا پر اکرموا ضیوفکم کا خیال رہا اور تیسرے دن کے بعد اس ناگواری پر پوچھ گچھ اور سرزنش کی اور پھر شفقت کے ساتھ مدد کی۔

خلوص اور للہیت میں ایسی برکت تھی کہ سوکھا ہوتا یا سیلاب، پیداوار میں دس پانچ من کا فرق ہوتا، اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا، فرمایا کہ اگر نہ ہو تو مہمان کیا کھائیں، دینی پروردہ کی حیثیت عام پروردہ کی نہ ہوتی بلکہ ان کے لیے ہر طرح کا پہلے اور بروقت اہتمام رہتا، اخیر عمر میں جب کہ آپ کی اہلیہ جو اس کام میں بڑی مددگار تھیں انتقال کر چکیں، خود اپنے قویٰ کمزور ہو چکے تو مہمانوں کو خود رخصت کر دیتے، روتے کہ مہمان کی خدمت نہیں ہو سکتی۔

متوسلین کی فدائیت:

حضرت مرشدنا کے مریدوں میں حضرت رحمت میاں جو آپ کے پڑوس ہی کے رہنے والے تھے نے سید صاحبؒ اور عبدالواحد صاحبؒ کا قصہ سنا تو اسی طرح کا مطالبہ حضرت مرشدناؒ سے بھی دہرایا قصہ اس طرح پر ہے کہ

عبدالواحد صاحب حضرت سیّد عبدالباری صاحبؒ کے مریدین میں سے کوہنڈہ ہی کے رہنے والے تھے، اکثر بے تابی کی کیفیت رہتی، ہائے وائے کی بیشتر بے ساختگی رہتی، ایک بار حضرت سیّد صاحبؒ کے ساتھ دریا کے پل سے گزر رہے تھے، حضرت سیّد صاحبؒ آگے تھے اور یہ پیچھے، یکایک پل کا گاٹر پکڑ کر دریا میں لٹک پڑے، حضرت سیّد صاحبؒ آگے بڑھے، مڑ کر دیکھا نظر نہیں آئے، پیچھے لوٹے تو دیکھا لٹکے ہوئے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے تو واحد صاحب نے عرض کیا کہ وعدہ کیجئے کہ آپ جہاں رہیں گے مجھے رکھیں گے ورنہ بیتابی حد سے زیادہ ہو گئی ہے۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے بہت کچھ سمجھایا مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی، ایک روز حضرت مرشدناؒ کوہنڈہ میں مسجد سے مراقبہ سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لے گئے۔ اور میاں مسجد ہی میں تھے، حضرت مرشدناؒ کا نام لے کر آواز دی، آپ آئے، میاں کہنے لگے دیکھئے عبدالواحد کا کیا حال ہے، میں نے ابھی دیکھا کہ حضرت سیّد صاحبؒ ادھر جا رہے ہیں، حضرت مرشدنا گئے تو معلوم ہوا کہ عبدالواحد صاحب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے ایک روز خادم صبح کو ہنڈہ پہنچا، حضرت مرشدناؒ نے فرمایا کہ رحمت کی نزع کی حالت ہے چاشت کے وقت کچھ لوگ آئے، ان سے پوچھا معلوم ہوا کہ وہی حال ہے، ظہر بعد پوچھا معلوم ہوا وہی حال ہے، عصر کی نماز کے بعد فارغ ہو کر فرمایا چلو رحمت کو دیکھ آئیں، آگے آگے آپ پیچھے میں خود، جب رحمت میاں کے دروازے پر پہنچے میں باہر رک گیا خود اندر تشریف لے گئے، چند منٹ کا وقفہ گذرا ہو گا کہ واپس تشریف لائے فرمانے لگے روح پرواز کر گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتظار تھا۔

دینی شغف اور بے چینی:

حضرت کی دینی محبت کے جوش کا اندازہ آپ کے آخری سفر سے کیا جا سکتا ہے کہ قویٰ میں پورا اضمحلال تھا، نشست و برخاست بھی آسان نہ تھی مگر یہ دیکھ کر کہ شاید میرے بعد کے لوگ دینی سامان فراہم کر دینے کے باوجود کسی دنیاوی زحمت کے پیشِ نظر ڈر جائیں اور ہمت کھو بیٹھیں، کام نہ پورا کر سکیں، کھانے پینے کی سہولت نہ رہنے سے گھبرا جائیں مختلف بگھیوں کا سفر کیا اور اس سفر میں خانقاہ کے لیے کہ وہاں جو زائر بھی آئے فراغت کے ساتھ اللہ اللہ کرے، جس طرح سونے کے لیے مکان، چارپائی تخت اور ضروری سامان مہیا ہیں کھانے کے لیے بھی غلہ اور روپیہ مہیا رہے، نگران بھی رہے، جو نگرانی کرے، اس کو باقاعدہ تنخواہ دی جائے لوگوں نے اس تحریک پر لبیک کے بڑے جوش کا مظاہرہ کیا، کچھ لوگوں نے زمین بھی وقف کرنے کے لیے کہا، حضرت مرشدناؒ کے آخری سفر کا مقصد یہ تھا کہ سامان خانقاہ میں موجود رہے اور کام میں سہولت اور آسانی ہو۔

باب سوم

مسائلِ تصوّف

علماء اور صوفیاء:

تصوّف اصل میں الا ان تطوع کا مظہر ہے کہ جس میں فرائض کے بعد نوافل کی اتباع ہوتی ہے اور تقرب بالفرائض یا نوافل کا حصول اس کی غایت اور موضوع بحث انسان بحیثیت اصلاح وارشاد۔ اس لیے تصوّف نام ہو ایسے طریق اصلاح کا جس میں انسان کی تربیت تزکیہ اور تحلیہ کے ساتھ کی جائے راہِ تقرب کا سالک بنایا جائے اور اجمالی ایمانیات کو تفصیلی یقینیات کرائی جائیں شہود اور مشاہدہ سے یا رنگ ظلال میں غیوب اور مغائبہ کے ایسے استحکام اور استقرار کے ساتھ کہ گویا دیدہ وشنیدہ باتیں ہیں، جو نصوص حکم، اور ہادی برحق کے بیان کے مطابق ہوں۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد ونواح میں بھی دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔

کے مطابق ایک نور تھے جن سے لوگ اپنے ظرف، اہلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے منور ہوتے، صدیق اکبرؓ کی کیفیت، حضرت عمر فاروقؓ کی شان، حضرت عثمانؓ کا رنگ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انداز ایک اشتراک کے ساتھ جدا جدا مظاہر ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس۔ حضرت عبداللہ بن مکتوم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم علیحدہ علیحدہ اہلیتوں اور صلاحیتوں کے نمونے ہیں، اس طرح پر آپ کی جامع نورانیت سے مختلف قمقموں نے اپنی طاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے روشنی اور رنگ اختیار کیا، کوئی فقہ کا مبدا بنا تو کوئی تفسیر کا مرکز کوئی روایت کا مرجع ہوا تو کوئی درایت کا، کوئی مرتاض نمونہ ہوا تو کوئی مجاہد، اس طرح پر سب میں اخلاص قبولیت مشترک اور آگے چل کر الگ الگ گروہ سے موسوم ہوئے، محدثین، فقہاء، مجتہدین، زہاد، صوفیاء اور علماء الگ الگ کہے جانے لگے، ایسی جامع ہستی ممکن ہے جس میں سب رنگ بھرا ہو۔

ایک مرتبہ حضرت مرشدناؒ ٹاٹا میں موجود تھے، ایک مولوی صاحب ملنے آئے اثناء گفتگو میں حضرت مرشدناؒ نے فرمایا کہ بہت سے علماء تصوف نہیں جانتے ان کے اخلاص میں شبہ نہیں، مولوی موصوف نے بحث کرنی شروع کی اور الجھنے لگے، کیا بات ہے اخلاص ہو اور تصوّف نہ ہو، اخلاص ہی کا نام تو تصوّف ہے۔ حضرت مرشدناؒ ان کو سمجھاتے رہے اور ہدایت کرتے

رہے کہ سُنیں اور سمجھیں مگر ان کی گفتگو کچھ مجادلانہ انداز میں ہو گئی، حضرت نے
خادم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بحث کرنا ہو تو ان سے بحث کیجئے ورنہ بات
سُنیئے، خادم نے بھی مولوی صاحب موصوف سے بہت کچھ کہا مگر وہ ایسا موقع
نہ دے سکے کہ صحیح بات سامنے آسکے، جیسا کہ معلوم ہے۔ محدّث، متکلم،
فقیہہ، مفسر، مرتاض اور عالم سب ایک ہی نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عالم
ہو، فقہی کتابیں بھی پڑھی ہوں، عقائد کی کتابوں کا بھی سبق ہو چکا ہو۔ تفسیر
بھی جانتا مگر ممکن ہے محدّث نہ ہو، اس طرح سے فنون چونکہ اپنے قواعد
اور ضوابط، غایت و غرض، موضوع اور مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے
سے الگ ہو گئے ہیں، اگر اس فن کا جاننے والا باکمال ہو تو اس کا عالم کہلائے
گا ورنہ نہیں، حدیث میں مسئلے ہیں لیکن حدیث جاننے والے کو فقیہہ نہیں کہیں
گے، تفسیر حدیث سے لی گئی لیکن مفسر کو محدّث نہیں کہیں گے، یہی حال عالم اور صوفی
کا بھی ہے، عالم ربانی ارشاد و حدیث دانی اور درس و تدریس کے شغل میں مخلص
اور مقبول ہے، تو دوسرا زہد اور ورع کے بے مثال انداز میں محنت و مجاہدہ
سے راہِ سلوک کو طے کر کے مقرب بنا ہے، ایک کی مقبولیت کا ذریعہ قرآن و
حدیث کے اجراء کی خدمت ہے، دوسرے کا محنت و مجاہدہ اور تقویٰ عالم
اور عابد کی اصطلاح دونوں گروہوں کے وجود کا ثبوت ہے، اس لیے ہو سکتا
ہے کہ ایک شخص عالم اپنے اخلاص اور ایثار کی بنا پر دین کی خدمت کر کے
مقبولیت حاصل کرے مگر وہ صوفی نہیں کہا جائے گا، اوّلین خدمت اس کی
علم ہے، اس لیے وہ عالم کہلائے گا اور چونکہ باعمل ہے اس لیے عالمِ ربانی،

دوسرا مجاہدہ اور محنت کر کے راہِ سلوک کو تفصیل سے حاصل کرنے والا اپنے
زہد اور تقویٰ شغل و اشغال کی بنا پر اس کمال کو پہنچا ہے، اگرچہ مسائل ضروریہ،
فقہ، حدیث وغیرہ کا عالم ہے مگر اس دوسرے کو عالم نہیں کہیں گے بلکہ صوفی
اس طرح پر جیسے علم میں الگ الگ نام سے علوم الگ الگ موسوم ہیں، اسی طرح
محنت و مجاہدہ کی راہ میں بھی انداز ذکر و فکر کے علیحدہ ہونے سے الگ الگ
گروہ بن گئے ہیں، خلاصہ یہ کہ ہر وہ شخص جس کو صوفی کہا جائے اس کو عالم کا
درجہ ضروری نہیں یا اسی طرح جو شخص عالم ہو اس کو سلوک کی تفصیلی راہ طے کرنا
لازم نہیں۔

مولوی صاحب موصوف جب خاموش نہ ہوئے تو خادم نے ادب
کے لحاظ سے سامنے گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھ کر مولوی صاحب موصوف کو
چپکے سے دُور لے گیا ان سے پوچھا آپ تو عالم ہیں بتا سکتے ہیں کہ اندراج
النہایت فی البدایت کے کیا معنی ہیں، مولوی صاحب موصوف سے حدیث
فقہ، تفسیر، جائز، فرض، غریب، صحیح شانِ نزول، ترتیب آیات وغیرہ کی
باتیں پوچھی جاتیں تو آسانی سے بتا سکتے لیکن یہ تصوّف کی اصطلاح تھی، مولوی
صاحب موصوف کے لیے اس کا جاننا ضروری نہ تھا، اسی طرح آفاق، انفس
ظلال، تجلیات، مشاہدات، مکاشفات، فنا، بقا، اقربیت، ادنیت
وغیرہ جو خاص فنِ تصوّف کی اصطلاحات ہیں، محدّث کے لیے اس کا جاننا
ضروری نہیں، وہ روایت اور اسماء الرجال کی باتیں کرے گا، مفسر نسخ اور عدم
نسخ کی باتیں لائے گا، وحی متلو اور غیر متلو بیان کرے گا، فقیہہ جائز ناجائز،

واجب فرض کی گفتگو کرے گا، خلاصہ یہ کہ لکل فن رجال مشہور ہے، یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر فن کے الگ الگ امام اور صاحب کمال گزرے ہیں، حضرت بڑے پیر صاحب حضرت خواجہ اجمیری، حضرت خواجہ نقشبند، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام مالک وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم الگ الگ رنگ رکھتے تھے، اسی بنا پر بہت سے بزرگوں کے حالات میں دیکھا جائے گا کہ عالم محقق ہونے کے باوجود فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

امام غزالیؒ نے اپنے علم و تبحر کے باوجود زندگی کے رنگ کو دوسرے انداز پر ڈھالنا بھی ضروری سمجھا۔ اگر خالی علم کافی ہوتا تو آئندہ دس سال جنگلوں کی زندگی گوشہ نشینی وغیرہ کی ضرورت نہ ہوتی، جس کے بعد احیاء العلوم، کیمیائے سعادت وغیرہ کی مقبول تحریریں عالم میں انقلابی کارنامہ پیش کر گئیں، خلاصہ یہ کہ علم کا ایک درجہ ہے اور تصوف کا ایک، دونوں اگر ایک جگہ جمع ہوں تو مجدد الف ثانیؒ ایسی بڑی نایاب ہستی ہو سکتی ہے۔

اسلامی تصوف کی ابتداء:

ایک جگہ مدرسہ عالیہ کی دوبارہ تاسیس کے سلسلہ میں لوگ مدرسے کے کوٹھے پر جمع تھے، حاضرین میں بدر الدجیٰ صاحب، مولوی منیر الزمان صاحب وغیرہ علمی لوگ بھی تھے، مولوی منیر الزمان صاحب نے یہ جانتے ہوئے کہ تصوف کے خادم ہیں یہ سوال کیا کہ تصوف کی ابتداء کب سے ہے، خادم نے جواب دیا

جب سے تعبد کی ابتداء ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر مذہب میں تصوف اور تعبد ہے، ہندو مذہب کی عام جنتا جو کچھ میلے ٹھیلے کی شکل میں کرتی ہے، وہ اس کا تعبد ہے، اور ان کا سادھو جو خاص اشغال کرتا ہے اس مذہب کا مثل تصوف ہے، اسی طرح یہودیت اور نصرانیت میں ایک عام یہود جنتا، عام نصرانی جنتا ہے تو دوسرا حبر اور راہب، کسی عبادت کے نام میں شرکت کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عبادت اور شغل پہلے والے سے لیا گیا ہے مثلاً روزہ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔　　تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اُمتوں میں بھی رہا ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ اسلامی روزہ یہود و نصاریٰ سے لیا گیا ہے تو بداہتہً غلط ہے کہ اسلامی روزہ اور ہے، ہندو برت اور ہے، یہودی اور ہے، نصرانی اور، نام یا شغل کی شرکت کی بناء پر پہلے کو دوسرے کا ماخذ نہیں کہا جا سکتا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی شریعت کے ارکان خمسہ ضروریہ ہیں جو اس کے تعبد کی حیثیت رکھتے ہیں اور نوافل راہِ اخلاص یعنی احسان کی راہ تصوف ہے کسی شغل میں نام یا کیفیت کی شرکت کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شغل اپنے پہلے سے لیا گیا ہے، اسی طرح سے اسلام کا تعبد بھی دوسروں سے الگ اور اس کا تصوف بھی دوسروں سے الگ، اسلام میں

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ　　نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو۔

مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ　　جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور روزہ رکھنا چاہیئے۔

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ يا
بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ

لوگوں کو چاہیئے کہ خانۂ کعبہ کا حج کریں
اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

والی حدیث اور آیتیں تعبد کے استقلال کو ظاہر کرتی ہیں۔

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا

تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اس پر (رسول اللہ) پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

صَلُّوْا وَ النَّاسُ نِيَامٌ

جس وقت (لوگ سوتے ہوں) نماز پڑھو۔

اَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَ اِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس طرح گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو یہ سمجھو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

نصوص واخبار و آثار اپنے ماخذ اور طریق کار کے لحاظ سے جدا اور الگ ہیں اور تصوف کی راہ کے انداز اس لیے اسلام کا تعبد بھی اپنا ہی ہے، اور اس کا تصوف بھی، مولوی منیر الزمان صاحب فرمانے لگے کہ انگریزوں نے تو لکھا ہے کہ تصوف ہندو دھرم سے لیا گیا ہے، خادم نے عرض کیا قلم در کف دشمن است۔

اس تفصیل کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تصوف اسلامی چیز نہیں، شریعت سے ثابت نہیں، یقیناً ان اشغال کے ماخذ قرآن اور حدیث ہیں، جیسا کہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ نماز کے حکم کے لیے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وضو کے لیے فَلْيَصُمْهُ کے لیے اِلَى اللَّيْلِ ہے۔ حَجُّ الْبَيْتِ کے لیے مناسک ہیں، زکوٰۃ کے لیے نصاب کا تعین، عقائدِ توحید میں قدم وحدوث کی بحث ہے، اسی طرح احسان کی تفصیل یاد کے لیے بھی کچھ مبادی معدات کی حیثیتیں ہیں، ان میں وحدت الوجود اور شہود کی بحث، رابطہ اور تصور کی گفتگو سے یہ نہ کوئی خیال کرے کہ یہ باتیں ویدانت یا جوگ وغیرہ سے لی گئی ہیں، کیا قدم وحدوث کی بحث یونانی فلسفہ میں آنے کی وجہ سے اخلاطونی فلسفۃ الٰہیات، تہذیبِ اخلاق کے قواعد واصول دیکھنے سے کوئی کہے گا کہ اسلام میں عقائد، اعمالِ اصلاح اور اخلاص افلاطونی انداز فکر سے لیے گئے ہیں، یہ صراحۃً غلط ہے، یہاں مبنیٰ وحی الٰہی ہے وہاں عقل وفکر کی غلطی ممکن، وحی الٰہی کا منصوص حق لاریب، اس طرح پر اسلامی تصوف کوئی نئی بات نہیں بلکہ اصل شریعت اس کا ماخذ ہے، کسی غیر سے نہیں لیا گیا بلکہ جو منصوصات، معمولات مشغولات ہیں اس کے خود اپنے ہیں۔ صوفی کو مراقبہ کرتے دیکھتے ہوئے کسی جوگی کے شغل کے مشابہ بتاتے ہیں۔ لیکن یقین رکھیئے کہ جس طرح روزہ، برت یا فاسٹ نہیں ہے بلکہ صوم ان سے جدا اور ممتاز ہے، اسی طرح حج تیرتھ اور پلگرم نہیں ہے بلکہ ایک خاص بات جو اس کی اپنی ہے۔ زکوٰۃ دان پن نہیں ہے بلکہ اس کا اپنا ایک خاص مربوط ضابطہ، نماز پرارتھنا اور [illegible] نہیں ہے بلکہ اس کی ایک خاص شان، اسی طرح مراقبہ اس کا اپنا ایک خاص انداز شغل ہے۔

مراقبہ:

مراقبہ جوگ اور دھیان جمانے کا نام نہیں بلکہ ظاہری اشغال سے الگ ہو کر اللہ کے لیے اس تعلیم کی پرورش کے لیے خاص نیت سے وقت گزارنے کا نام ہے جو سالک کو اپنے مرشد سے پہنچی ہو۔ ظاہری تعلیم میں جو کیفیت مطالعہ کی۔ ہے یعنی کاغذ جس پر چند نقوش ہیں وقت گزارنے سے اگر تعلیم ہے تو بصیرت اور کمال ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کے باطن میں شعوری مراکز ہیں، ان پر تعلیم کے بعد محنت کی جائے اور ظاہری اشغال سے الگ ہو کر وقت گزارا جائے تو مراقبہ ہے، اس سے عرفان ہوتا ہے۔ اور تقرب کی راہ کھلتی ہے۔ جس طرح مطالعہ بے تعلیم بے کار ہے، انگریزی نہ جاننے والا یا سائنس کا نہ پڑھا ہوا انجینئرنگ کی کتاب سے ناواقف، سنسکرت اور ہندی رسم خط اور ان کے معانی سے نابلد ان فنون مضمونوں اور زبانوں کی کتابوں پر بے تعلیم کوئی کتنا ہی وقت گزارے نہ فہم ہوگی نہ ترقی اسی طرح باطنی شعور پر بے تعلیم اگر وقت گزارا جائے تو حصولِ مقصد مشکل۔ اندراج النہایت فی البدایت کا طریقہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں رہا، دیگر سلاسل کے بعض مشائخ نے بھی چاہا کہ اور سلسلے بھی اس انداز پر چلائے جائیں مگر چونکہ ہر شخص مجدد نہیں ہوتا، مجدد کی خصوصیات ان کی کرامتیں، ان کا اعزاز اللہ کی طرف سے جدید راہ کھولنے اور کھلنے کا معاون اس لیے قلب پر فیضان کی تاثیر اور ذکر کا ظاہر ہونا نسبت اور تصرف کے بغیر اپنی کوشش اور مجاہدہ سے کافی دیر کا باعث رہا، یعنی

مشہور ہے، محض قلب کا جاری ہونا بارہ برس کی کوشش کے بعد ہوا ہے، حضرت مرشدنا کو حضرت سید صاحبؒ نے قلب، روح، سر کی تعلیم کی تو حضرت مرشدناؒ نے عرض کیا۔ حضرت بس! کیونکہ آپ نے سنا تھا کہ جو شخص سر تک پہنچ جائے وہ ولی کامل ہے حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا ان کی اور بقیہ لطائف یعنی عشرہ تک کی حیثیت صرف حروفِ تہجی کی ہے یا یوں سمجھئے کہ یہ باطن کے مراکزِ شعور جس طرح دماغ ظاہری تعلیم میں ساری تعلیم اور کمال کا مرکز ہے باطنی تعلیم میں اصل قلب اور اس کے دیگر بطون روح، سر، خفی، اخفیٰ، نفس، عناصر اربعہ ہیں، اس طرح آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ شریعت میں جو باتیں خالی انداز میں بیان کی گئی ہیں، تصوف میں ان کی تفسیر اور ان کا انشراح ہے، یہاں استدلال کوئی چیز نہیں بلکہ وجدان، شہود و مشاہدہ کا میدان ہے، پائے استدلال یاں جو بیں بود،

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

توجہ اور نسبت:

علماء کا دستور وعظ و نصیحت سے تعلیم و تربیت کا عام طور سے رہا ہے اس بنا پر خانقاہی حضرات کے انداز پر اکثر شکوک و شبہات کیے جاتے رہے، حضرت مرشدنا رح نے جب کوہنڈہ میں رہ کر تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا تو لوگ شریک ہونے لگے اور لوگوں کی نگاہیں اس طرف اٹھنے

لگیں، فیض کی زود اثری کو دیکھ کر لوگوں کو حیرت واستعجاب ہونے لگا، عام خانقاہی جانشینوں پر نکتہ چینیاں کرنے کی عام عادت ہو چکی تھی، اور وہ اکثر تشفی بخش جواب دینے سے قاصر رہتے، اور جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پیشتر صوفیاء اور علماء عام طور سے دو الگ گروہ اور جتھے تھے اور ان کے قال پر اور یہ ان کے حال پر کہتے سنتے رہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانے سے یہ خلیج پٹ چکی تھی، عالم صوفی بھی ہوتا تھا اور صوفی عالم، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہم علماء بھی تھے اور بلند پایہ صوفی بھی، مگر عام رواج عالم اور صوفی کی علیحدگی کا جاری رہا، اور شکوک و شبہات کی بنا پر اعتراضات بھی ہوتے رہے، ہو سکتا ہے کہ بعض صوفیاء کے اشغال میں اپنے اندازہ کسی مصلحت اور وقت کے تقاضہ کی بناء پر ایسی باتیں آگئی ہوں جن کے متعلق علمی گفتگو کا موقع ہو، بہرحال جو بھی ہو یہاں بھی علماء نے مختلف قسم کے اعتراضات اور اختلافات پیش کیے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بہت سے علماء کو ہنڈہ میں اپنے وعظ کے دورے کے سلسلہ میں جمع تھے اور توجہ نسبت کے ذریعہ تعلیم و اصلاح کی گفتگو زیر بحث تھی، ان علماء نے اپنے مواعظ میں جو بحث کی اس کا حاصل یہ تھا کہ توجہ نسبت کوئی موثر طریق تعلیم نہیں، وہ کہتے کہ اگر ایسا ہوتا تو توجہ اور نسبت سے ابوطالب، ابوجہل، ابولہب محروم نہ رہتے اور سب پر ہدایت و رشد کی تجلی ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا، اس طرح اپنے قول کی صحت کو ثابت کیا تقریروں کے بعد حضرت مرشدناؒ نے فرمایا کہ بھائی یہ

کوئی بحث کی چیز نہیں، تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے، کسی کو توجہ دی جائے اور اس پر اثر ظاہر ہو تو یقین کیا جائے کہ توجہ نسبت کوئی چیز ہے، ورنہ نہیں۔ اصل مسئلہ پر ذرا تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآنی منصوصات پر تفصیلی عمل کا ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى — محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)

سے مراد اگر عصر ہے، اس کے لیے جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم نے چار رکعت کی تعیین کی، اسی طرح مغرب کی نماز میں تین رکعت، فجر میں دو، یہ مختلف اوقات میں تعیین رکعات حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم کا اثر ہے جو اللہ جل شانہ کی طرف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی، اس بناء پر مغرب میں اگر کوئی چار رکعت فرض پڑھے یا فجر میں تین تو جائز نہیں، تین اور دو کا پڑھنا فرض رہے گا۔ علماء کی بڑی جماعت نے پہلی وحی اقراء کے سلسلہ میں تین بار کے ضغطہ کو توجہ کی کیفیت بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام جو تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے لائے اس کی ابتداء توجہ سے ہوئی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ فقہی کتابیں تھیں، نہ اصول حدیث کے قوانین، حدیثیں منضبط نہ تھیں اور نہ عقائد کے دلائل مربوط۔ عہد کی ترقی کے ساتھ حالات کے تقاضے اور سہولت نے تدوین

کا سامان کیا اور باتیں قوانین و ضوابط کے اندر لائی گئیں، اصول مرتب ہوئے اور باتیں مستحکم کی گئیں، آپ کی صحبت سب کچھ سامان تھی، فتوے بھی وہیں سے ملتے تھے، عقائد بھی جانے جاتے تھے، اصول بھی سمجھے جاتے تھے اور قوانین بھی، مگر تفصیل، ترتیب اور ضبط بعد میں عمل میں آیا، اس طرح پر حضرت عمرؓ کی وہ حدیث جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے اندر اللہ اور رسول کی محبت اولاد، تمام لوگوں، مال اور نفس سے زیادہ نہ ہو وہ مومن نہیں، حضرت عمرؓ کا ان کے متعلق وقفہ بوقفہ عرض کرتے جانا کہ فلاں کی محبت سے زیادہ نہیں ہے، پھر فوری اقرار کرنا کہ ہے یہاں تک کہ نفس پر توقف کر کے یہ عرض کرنا کہ اس کی محبت پر اللہ اور رسول کی محبت کا غالب ہونا نہیں پاتا پھر تھوڑے سے تصرف کے بعد اقرار کرنا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ محبت اللہ اور رسول کی ہوگئی۔

قرآن شریف کی آیت میں دو صحابی کا اس طرح کا اختلاف کہ ایک نے پڑھا، دوسرے نے سمجھا غلط تلاوت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر کرنا، آپ نے پہلے کا سُنا فرمایا صحیح ہے، دوسرے کا سُنا فرمایا صحیح ہے، صحابی نے جب یہ دیکھا تو نفس میں وسوسہ کی ایک ایسی سیاہ لہر امنڈی کہ وہ کہتے ہیں کہ کاش میں پہلے سے مسلمان نہ ہوتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اس ظلماتی اُمنڈ کا اندازہ کر لینا اور صحابی کے سینہ پر ہاتھ رکھ دینا جس سے وہ پسینہ سے تر بتر ہو گئے اور شک و شبہ کی کیفیت زائل ہو گئی۔ ایک اعرابی کا ایمان لانا اور اس کے بعد بخار میں مبتلا

ہو جانا۔ اس کے تحمل سے عاجز ہو کر ایمان لانے ہی کو اس کا سبب ٹھہرانے اور پھر اس کے ناقابلِ برداشت ہونے پر اس سے الگ ہو جانے کی خواہش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بار بار جا کر ان کو دیکھنا، اخیر میں توجہ نسبت کے اثر نے جب اپنا کمال پالیا اور ایمان کی گرمی نے ظلمت کو خاکستر کر کے چمکا دیا تو ان کا پھر ہشاش بشاش ہو جانا اور بشاشت ایمان پا جانا۔

غرض اس طرح کے مختلف واقعات اور حالات مل سکیں گے، ابرِ باراں کے فیوض کا اندازہ زمین شور کو دیکھ کر نہیں کیا جا سکتا۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ ضرور ہے کہ توجہ نسبتِ حقیقی موثر نہیں، اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ	آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے
لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ	بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

یعنی ایصال الی المطلوب سوائے اللہ جل شانہ کے کسی شخص، ذات اور طریق سے نہیں، لیکن ہدایت طریق انبیاء علیہم السلام ان کے نائبین ہداۃ کے ذریعہ قول، عمل، صحبت اور توجہ سے ممکن ہے۔ بہر حال علماء کی شان ہے کہ وہ مسائل کو اس طرح چھان بین کریں کہ کسی قسم کا احتمالی شائبہ بھی ابتداع کا نہ ہو، یہ وقتی بحث اور گفتگو تھی ورنہ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ باوجود بُعدِ ظاہری، محبت اور کمال سے جو اثر رکھتے تھے ابو جہل اور دوسرے روزانہ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں وہ کیفیت نہ آسکی۔ ابو طالب نے ظاہر میں

سب کچھ مدد کی اور محبت کا ثبوت دیا، لیکن انجام جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے۔ اس طرح پر تعلیم و تربیت کا کہیں طریقہ وعظ و نصیحت ہے تو کہیں اطلاع و اتباع، کہیں سماع ہے تو کہیں اعراس اور اسی طرح کے اور طریق بھی، مجددی حضرات کی تعلیم کا طریقہ توجہ نسبت ہے، اور صحبت اس کی نکھار، اتباع سنّت ان کا امتیاز ہے اور تطوعات اور عزیمت کی پیروی ان کا شیوہ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے بعد تصوّر شیخ یعنی رابطہ کا شغل بھی نہیں رہا۔ حضرت مرشد نا رہ کو حضرت سیّد عبدالباری شاہؒ سے جو طریق ملا اس میں تعلیم کے فیضان کا ذریعہ توجہ نسبت ہے اور تربیت اتباع سنّت، اور نوافل اور سنن، تہجد و ذکر و فکر کی پابندی سے، یہ سلسلہ صحبت ہے کہ صحبت سے آدمی میں نکھار اور مکمل سدھار ہوتا ہے، حضرت حنظلہؓ کا واقعہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں، خوفِ خدا اور جنّت دوزخ کا سامنے رہنا۔ پھر صحبت کی دوری سے اس کیفیت کا نہ پانا، اس پر حضرت حنظلہؓ کا یاس میں اپنے آپ کو منافق کہنا اور اس یاس پر خدمت میں حاضر نہ ہونا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا آپ کو مجلس میں نہ پاکر تشویش کا اظہار کرنا حضرت ابوبکرؓ کا جانا اور ان سے حالات دریافت کرنا، دونوں کا عدم حضور پر حضوری کی کیفیت نہ پانا اور رو کر پھر خدمت اقدس میں حاضر ہونا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پھر فرمانا کہ یا حنظلہؓ ساعۃ فساعۃ ورنہ گلی کوچوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرتے، اس سے صحبت کی تاثیر کا صحیح پتہ چلتا ہے جو آپ کے نائبین میں صدری طور پر الحمدللہ کہ باقی

اور قائم ہے، علماء ربانی، اہل اللہ اور صدّیقین اس کے مظاہر ہیں، اللہ جل خانہ ان کو جزائے خیر دے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خادم کے ساتھ ایک قابل مولوی صاحب بھی کوہنڈہ گئے، صبح کو ناشتہ کے بعد مولوی صاحب موصوف نے رخصت چاہی کہا کہ میرے لیے دعا کیجئے، حضرت مرشدنا نے کہا کہ بھائی میں دعا نہیں کروں گا اور یہ آیت پڑھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ۔

اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو، اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو وہ ایسا ہے کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے ہیں۔

مجھ کو کچھ بھی سمجھتے ہو، میری دعاء اللہ کی رحمت نازل کرنے اور فرشتوں کی دعاء سے بڑھ کر نہیں، جاؤ یہ طریقہ بتا دیا، ایک بار حضرت مرشدنا نے فرمایا کہ حضرت سیّد صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے لیے دعاء کروں گا۔ جاؤ راستہ بتلا دیا، یہ بات اس وقت سمجھ میں نہ آئی مگر حکایت کے فحوا سے ظاہر ہو گئی کہ ذکر کے طریق کی تعلیم اور اس پر عمل کے بعد اللہ کی رحمت کا نزول اور فرشتوں کی دعاء کا آدمی اہل بن سکتا ہے، اس لیے صوفی یادِ الٰہی کو اہم ذریعہ سمجھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کو دوامِ ذکر حاصل ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ تجلی برقِ مومن پر آتی ہے اور

ایک ہی نگاہ کے صدقہ میں ایمان کے شرف سے ولایت کے مدارج
کر لیتا، اسی بنا پر صحابہ رضؓ کو اپنے بعد والوں پر فضیلت ہے۔
خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ مشہور ہے کہ حضرت
معاویہ رضؓ کے گھوڑے کے ناک میں جو غبار تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی چمکا دینے والی صحبت اور اثر کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ سے بافضل
سے بڑھ کر ہے۔ یہ تاثیر اور نسبت قرناً فقرناً صدیقین، مقربین سے چلتی ہوئی
عہد بہ عہد چلا ہے حضرت سلمان فارسی رضؓ کے سلسلے ہو چلا ہے حسن بصری رضؓ سے
یا دونوں سے امہ اہل بیت سے ہوتی ہوئی صوفیا، مقربین اور مقبولین تک
پہنچی، یہ نسبت اور تعلیم جو شیخ کی صحبت اور تلقین سے ملتی ہے، اگر استحکام
پذیر ہو گئی تو وہ شخص صاحب نسبت کہلانے لگا، آئندہ دوسروں کی تعلیم کا مجاز
اس طرح اگر مختلف اسناد اور روات سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
اقوال اور آپ کے آثار کی خبر ملتی ہے تو محبت اور مجاہدہ کی راہ کا سلسلہ بھی
قرن اول سے لے کر اب تک بہت احتیاط اور درایت کے ساتھ باقی اور
قائم ہے۔ روایتوں میں چھان بین اور تحقیق کے بعد قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ملتا ہے تو سلاسل کی تعلیم و تلقین سے مجاہدے اور سلوک کی راہ ملتی ہے، اہائی
سلسلہ کے تقویٰ اور تقدس میں کوئی جرح نہ کر کامیاب نہیں کیونکہ اللہ جل
شانہ نے ان کے مسنون نور، نور ہمت اور مجاہدہ کو قبولیت بخشی اور آج کوئی
بھی بڑے پیر صاحب، خواجہ اجمیری رح، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رح
اور حضرت مجدد الف ثانی رح اور اسی طرح ان کے درمیانی متوسلین اور

متبعین پر کوئی منصف اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ ان میں مجاہدہ
تقویٰ، ورع، قبولیت دوام استحکام، استقامت اور ہدایت کے پورے
بلند مینارے موجود ہیں، ان میں مجاہد بھی رہے، شہید بھی ہوئے، انہوں نے
ایثار بھی کیا، قربانیاں بھی دیں، تبلیغ بھی کی اور دعوت بھی پہنچائی، اس طرح پر
آج خطہ خطہ پر اور ٹکڑے ٹکڑے پر اولیاء کے مقامات اور شہداء کے
مزارات آپ پائیں گے اور ہمارا ایمان اور اسلام انہیں کی کوششوں کا مرہون ہے۔
جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ذکر کا مفہوم:

تصوف نے اپنی بنیادی چیز یاد اور دوام کو اپنا ضروری امتیاز جانا کہ
غفلت، ہلاکت اور غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا — تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

اللہ جل شانہ نے اس کی خوبیوں میں سے بتایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا اور ہم نے اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لیے کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔

قرآن شریف کو اللہ جل شانہ نے عربی میں اتارا اور وعید کے مختلف انداز

پیش کیے جس سے لوگوں میں تقویٰ اور ذکر پیدا ہو، ذکر کا ایک انداز جو موجود اور رائج ہے وہ مشائخ سے ان کے متوسلین لا الہ الا اللہ نفی اثبات یا اللہ اللہ اسم ذات کا طریق اخذ کرتے ہیں۔ اور مشائخ اپنی تعلیم سے ان کو صفائے باطن کے لیے اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ذکر کا مفہوم یاد اور عدمِ غفلت ہے جس سے انسان چوکنا اور ہوشیار رہتا ہے، اور فرض اور ذمہ داریوں کی ادائگی سے غفلت نہیں ہوتی۔ دین کے جملہ فرائض و احکام کی ادائگی یاد ہی کا ثمرہ ہے آدمی غافل یا بھولا رہا تو کام میں کوتائی اور خامی رہی اس لیے ہوشیار رہنے اور غفلت سے بچنے کے لیے یاد پر زور دیا جاتا ہے۔ سارے اعمال کی وہی بنیاد ہے، اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار اور پسند کے شرح کے ساتھ جو حکم دیا وہ

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى
اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ
الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ وَ
لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ

جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اس کو سن لو، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔ اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کا حکم ہمیشہ سے ہے طریقِ ذکر میں فرق ممکن ہے، کوئی کھڑے، کوئی بیٹھے، کوئی لیٹے ہر حال میں ذکر اور یاد رکھتا ہے۔

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ

وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔

ان کی صفت بیان ہوئی ہے۔ ذکر کا حکم اس کی انجام دہی ایک بنیادی بات ہے جو ہمیشہ سے مشترک چلی آئی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا فنون کی جب الگ تدوین ہوئی تو ائمہ نے اپنے اپنے فنون کے دائرے کو خاص موضوع اور مبحث سے محدود کیا۔ ذکر جو دین کی بنیادی چیز ہے تصوف نے اپنا اہم موضوع بنایا اور اس کے لیے مختلف تجارب جو اس مشترک حکم سے رود انہ اور مفید ہوئے متعین کیے، کہیں ذکرِ جہر ہے تو کہیں ذکرِ خفی، کہیں نفی اثبات پر زور ہے تو کہیں اسمِ ذات پر، کہیں کھڑے ہو کر ذکر ہے تو کہیں نشست خاص سے حرکت اور جنبش بھی اسی زود اثری کی اعانت کے لیے ہے، ورنہ نعم الذکر لا الہ الا اللہ اور اذکروا اللہ ذکراً کثیراً اصل حکم ہے۔ اس لیے اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں ذکر کا حکم ہے یا ذاکر کی صفت ہے، وہاں بیشتر "کثیراً" کی قید ہے خادم کے ذہن میں "کثیراً" کا مفہوم متعین نہیں ہوتا تھا کیونکہ بہت کا لفظ اضافی ہے، ایک کے لیے کوئی عدد کثیر ہے تو دوسرے کے لیے قلیل بلکہ اقل کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے بہت تشویش تھی، اکثر بڑے علماء کی طرف رجوع کرنے پر بھی مسئلہ میں تشفی نہ ہو سکی، ایک بزرگ سے ملاقات پر اس مسئلہ پر گفتگو رہی، آپ نے فرمایا کہ مشائخ نے تعداد متعین فرمادی ہے وہی کثرت کا معیار بن سکتی ہے مگر خلش دور نہ ہو سکی خیال رہا کہ ممکن ہے حضرت شیخ اکبر یا کسی اور امام کی کتابوں سے یہ مسئلہ صاف ہو، حضرت مرشدنا کے ساتھ ناشتہ کرنے میں مشغول تھا، باتوں باتوں میں ذکر اس طرح آیا کہ ذکر کا کثیر

مفہوم ذہن میں صاف اور متعین نہیں ہو رہا ہے کہ یہ اضافی معلوم ہوتا ہے اور بہت کوئی متعین نہیں، شخص شخص اور ظرف ظرف کے لحاظ سے یہ کم اور بیش بہت اور کم ہوتا رہتا ہے اس لیے فلاں شیخ سے گفتگو پر انہوں نے فرمایا کہ مشائخ کی تعیین یہی کثرت کی حد ہو سکتی ہے۔ حضرت مرشدنا نے تقریر میں لیے ہوئے فرمایا ہیں! کیا کہا؟ ذکر سے معنی عدمِ نسیان ہیں اس لیے جس کے اوقاتِ زندگی میں غفلت کم ہو وہ ذاکر کثیر ہے۔ علد معدود کی کیا گنجائش؟ اندازہ ہوا کہ مشائخ کی تعداد کی تعیین آگے چل کر یہ عدمِ نسیان کی کیفیت پیدا کرتی اور حضوری حاصل کراتی ہے، اور اوقاتِ زندگی میں غفلت کی گنجائش کم رہتی ہے اس لیے ذکرِ کثیر کی سمجھ مشائخ کے تعیین کردہ اعداد سے حاصل ہوتی ہے۔ یک دوسری مجلس میں سوال کیا جس میں پڑھے لکھے موجود تھے کہ ذکر کس کو کہتے ہیں، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، فرمایا دیکھو اس کی مثال ہے کسی شخص کو حکم سُنایا جائے کہ اس کو فلاں دن پھانسی دی جائے گی، اس حکم کو سننے کے بعد کھانا بھی ہو، مکان بھی، اولاد بھی، گھر والے بھی، ہر قسم کا تنعم اور لذت موجود اور خوشی اور غفلت کی ساری باتیں مگر اس شخص سے کبھی اس بات کی یاد اور اس وقت کا خیال ذہن سے نہ دور ہوتا ہے نہ ہٹتا ہے۔ یہ کیفیت ذکر کی ہے اور ذاکر اس طرح ہمیشہ یاد کے کچوکوں سے دوچار رہتا ہے اور برداشت کرتا رہتا ہے۔

بڑے مشائخ میں سے ایک بزرگ کا قول مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے کہ اگر کسی نے غافل کرنے کی کوشش کی تو امید ہے کہ بخشا جائے گا، معلوم

ہے کہ ایک بوڑھا جس کے سامنے اس کا نوجوان بیٹا چل بسے اس کے دل کے حال کا اندازہ کوئی صاحبِ اولاد ہی کر سکتا ہے، لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے اور طرح طرح سے بہلانے کی کوشش کرتے یہ غافل کرنا ایک قسم کی ہمدردی ہوتی تو حضرت شیخ کی عبارت کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے کہ یاد اور ایسی یاد جو ہر طرح بے قرار کیے ہوئے ہے، جھلسائے اور بے تاب بنائے ہوئے ہے، اس کی ہمدردی میں کوئی شخص تسکین کے لیے کوشش کرے تو ایک قسم کی ہلکی مدد ہے، چوں کہ اس میں مشائخ سے ہمدردی کا شائبہ ہے اس لیے امید ہے کہ اس کو اپنی نیت کا عمدہ پھل اور اچھا ثمر ملے گا، حضرت مرشدنا پر یاد کی ہمہ وقت جو کیفیت ہوتی وہ دیکھنے والا ہی صحیح طرح پر سمجھ سکتا ہے۔ شاعروں کے کلام میں جلنا، بھُننا، کباب ہونا جیسے مضامین کی مثال بزرگوں کی صحبت سے مل سکتی ہے، اور اسی درد اور بیتابی میں وہ اپنے لیے راحت اور لذت پاتے، اور چاہتے کہ دوسرے بھی اس سے آشنا ہو جائیں، اور یہ درد کی دوا اور درد لادوا ان کو بھی میسر ہو جائے آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی طالب چین، جاپان میں ہو تو اس کی خدمت کے لیے اتنا لمبا سفر کرنے کے لیے خوشی خوشی تیار ہوں۔ یاد کی اس کیفیت کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ایک نگاہ کافی تھی، بعد میں مشائخ میں یاد اور دوام یاد کی کیفیت کے لیے تجربات سے بیداری اور ہوشیاری کی سلف کی سی کیفیت لانے کے لیے نعم الذکر لا الٰہ الا اللہ کے لیے نقشہ اور اندازِ وقت اور حالات کا تعین اور انضباط کیا۔

ذکر کا تعلق زبان اور خیال، ظاہر اور باطن سے ہے جو کیا جاتا اور شغل کے طور پر انجام دیا جاتا ہے غرض اس کی ظاہر اور باطن میں یادگاری حاصل کرنی ہوتی، اس کا مقصود غفلت کا دُور کرنا ہے اور تعلق مع اللہ میں استواری یہ شغل چاہے نفی اثبات کا ہو، اسمِ ذات کا، اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ انسان کی صبح و شام، دن رات بلکہ ہمہ اوقات روزانہ کی ذمہ داریوں اور فرائض میں غفلت اور بھول نہ ہو بلکہ سب ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں ہوشیار اور چوکنا رہے، کیونکہ اس کو یاد ہے اور یاد کے باعث کسی اور طرف متوجہ ہونے اور کسی اور کام میں لگنے میں بھی اس کا دل اور اس کا باطن جس کی طرف متوجہ اور لگا رہنا چاہیے، متوجہ اور لگا رہے تاکہ ہر کام میں خلوص اور ہر عمل میں اخلاص کا اثر ہو، خود غرضی اور ہوا پرستی کی گنجائش نہ رہے کہ حق اور ذات کی جھلکیاں، اس کا خوف، اس سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ سب کام اس کے لیے اور اس کے حکم کے مطابق ہوں، طالب میں اگر اخلاص کا یہ رنگ نہ پیدا ہو تو اس کو مزید توجہ کے ساتھ کوشش میں لگنا ضروری ہے کہ یہ کیفیت حاصل ہو، کیفیت حاصل ہونے کے بعد بھی ذکر سے غافل نہ ہو اور شغل پورا کرتا رہے، مبادا غفلت اور حجاب نئے انداز پر رونما نہ ہوں جو نقصان کے باعث بنیں، اور اتباعِ حکم ذکر سے قاصر نہ سمجھا جائے اس لیے اطاعت حکم ذکر چاہیئے کہ اس سے بہت سے فائدے ہیں یہ اگرچہ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اور جب سے توفیق نیت اور نصیب ہو سلیقہ داری سے انداز سے ادائے اشغال میں ضبط اوقات اور اہتمام کا لحاظ کرتے ہوئے

پورا کرتا رہے کہ:

وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ — اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

کا امر ہے۔ حضرت مرشدنا کی زندگی میں یہ استقامت جس پورے اہتمام اور ضبط کے ساتھ ہوتی، اُوپر کے صفحات اس کی مختلف مثالیں پیش کر چکے ہیں، نام کے ذاکر شاغل بننے سے زیادہ ضروری ہے کہ کام کا ذاکر شاغل بنے کہ وہی ضروری اور مفید ہے، ذکر شغل کوئی رسم یا دیگر مراسم کی طرح کی چیز نہیں بلکہ مقصدِ حیات کے زیادہ قریب کی چیز ہے، اگر یاد ہے تو شاد ہے ورنہ برباد، غفلت جمود سے ملتی جلتی ہے، جمود جمادات کی صفت ہے اس لیے اس سے احتراز اور پرہیز ضروری اور لازم ہے۔

ذکر کے نتیجہ میں اللہ جل شانہ کی رحمت، فرشتوں کی دعائیں، باطن کی صفائی اور آراستگی ہے، اللہ جل شانہ کے قرب، قبولیت اور مدارج کی ترقی میں سہولت:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ — تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا،

کا ثمر اس طرح کے بے شمار فوائد ہیں جن کے لیے طالب کو تجارب مشائخ کے اشغال بیش از بیش معاون ہیں، ہوشیاری، ہوشداری، ہمہ ذمہ داری کی آگاہی، نشاط، عمل کی پختگی، بلند پروازی، خودی کی بلندی کہ بندہ بسے خود پو جھے تا تیری رضا کیا ہے۔ جیسے دوسرے منافع بھی ممکن ہیں

انسان کی اُخروی زندگی کے لیے سُدھار، اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے اور سابقین و مقبولین کے زمرہ میں شامل ہونے، مبشرات کے اہل بننے کے لیے بھی مددگار ہیں، اس لیے اعمال کے نتائج میں دنیاوی منافع کے ساتھ ساتھ آخرت کے فوائد ضرور مقصود و ملحوظ رہیں کہ وہی دائمی زندگی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ وَ اللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

کشف و انشراح:

مکشوفات وغیرہ کو خاص اہمیت نہ دیتے، ان کو اپنے مقام پر ہی رکھا جاتا۔ لوگوں سے احوال پوچھتے مگر استقامت، دوام، حسن کارکردگی اور نظم و ضبط کو ہمیشہ ترجیح دیتے، فرماتے مکشوفات حجت نہیں بن سکتے۔ اکثر حضرات اپنے مکشوفات سُناتے سُن لیتے مگر اسرار و غوامض کی رازداری کا پورا اہتمام کرتے اور کراتے کہ باتیں راز کی ہیں، مضحکہ خیز بننے کی گنجائش نہیں، ابوالحسن بھائی جو ایک برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ہندوستان کی تیرتھوں سے فارغ ہونے کے بعد جب گھر واپس ہونے لگے تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو کچھ حاصل نہیں ہوا، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں ساتھیوں نے عجب اصرار دیکھا تو ان کو زدوکوب کیا اور ایک ناریل کے

درخت میں باندھ کر چلے گئے، ابوالحسن بھائی کو جب ہوش ہوا تو دیکھا کہ درخت میں بندھے ہوئے ہیں، غشی کی حالت میں دیکھ چکے تھے کہ کوئی بزرگ آئے ہیں جنہوں نے بدن پر ہاتھ پھیرا ہے اور درد دور ہوا ہے، ہوش میں آنے کے بعد بندھن کو چھڑایا اور چاٹگام کی طرف روانہ ہو گئے، ایک مولوی صاحب کے یہاں پہنچے اور اپنے آنے کی غرض اسلام لانا بتایا، مولوی صاحب نے پہلا ہی سخت امتحان لیا کہ دستر خوان پر چھوٹا ہوا کھانا حکم دیا کھائیں، ایک برہمن جو چھوت چھات کا قائل رہا ہو پھر اس طرح کھانا جھوٹا کھائے مشکل کام تھا۔ مگر ابوالحسن بھائی میں اسلامی جذبہ اثر انداز ہو چکا تھا، کھانا کھایا اور اطمینان سے بیٹھے۔ مولوی صاحب نے کلمہ پڑھایا اور شریعت کی تعلیم، مسئلہ مسائل اور دعائیں وغیرہ یاد کرائیں، کچھ دنوں کے بعد ابوالحسن بھائی کا دل اُچاٹ ہوا اور اجازت کے ساتھ ارکان کی طرف روانہ ہوئے، ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا کہ کچھ لوگ گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک مقتدر شخص لیٹے ہوئے ہیں، نگاہ پڑی تو چونک اُٹھے، خواب میں دیکھ چکے تھے، بے تابانہ بڑھے اور آداب مجلس کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے حضرت کے قریب پہنچ کر پیر پکڑ کر دبانا شروع کیا یہ خدمت بے تابانہ اور والہانہ تھی اور اس میں زور بھی، حضرت نے فرمایا کون ہے بھائی، پیر ٹوٹ نہ جائے، پھر متوجہ ہوئے گفتگو شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ پہلے برہمن تھے، اب اسلام لا چکے ہیں، نماز کی دعائیں یاد ہو گئی ہیں اور اس کے پابند ہو گئے ہیں، مسئلے مسائل بھی جان چکے ہیں، آگے مزید کوئی تعلیم ہو تو اس کے طالب ہیں۔

تصوف کی تعلیم شروع کی گئی، تعلیم کا بڑا اثر ہوتا۔ ایک لطیفہ پر توجہ کے مختلف لطائف روشن ہوجاتے۔ قلب کی توجہ کے بعد پوچھا گیا کیسا معلوم ہوتا ہے۔ ابوالحسن بھائی کہنے لگے کہ پانچ چھ چیزیں وجود میں متحرک نظر آرہی ہیں، پورے شوق اور ہمت سے کام میں لگے، حالات بہت بہتر رہے، کشف محتاط اور صحیح ہوتا، ایک مرتبہ موضع منگراداں آنا ہوا، وہاں کے سلسلہ کے ایک بھائی مہدی نامی تھے جن کا انتقال ہو چکا تھا، ابوالحسن بھائی کو جب معلوم ہوا کہ مہدی بھائی کا انتقال ہوگیا ہے تو کہا چلو بھائی ان کی قبر پر فاتحہ پڑھ آئیں، لوگوں نے غلط قبر پر کھڑا کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے کہ بھائی یہ قبر ایک مسماۃ کی ہے جو پردہ نشین ہے۔ مہدی بھائی کی قبر کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہے۔ مسماۃ کے شوہر وہیں موجود تھے جنھوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر مہدی بھائی کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھا اور کچھ احوال بتائے گاؤں کے ایک بڑے شاہ صاحبؒ جن کا وصال ہو چکا تھا، ان کی قبر پر بھی لوگ لے گئے۔ وہاں کے بھی کچھ احوال بتائے، جب کوہنڈہ واپسی ہوئی تو حضرت مرشدناؒ نے فرمایا قبر کے احوال بیان کرنے گئے تھے، مچھلی بند، بنگال کے لوگوں کی محبوب غذا مچھلی ہے، یہ بندش ایک سزا کی سی تھی اور اسرار کے اظہار پر پندرہ دن تک قائم رہی، پندرہ دن کے بعد دستر خوان پر مچھلی تھی فرمانے لگے کھاؤ۔

ایک دن حضرت مرشدناؒ فرمانے لگے کہ مجھے یہ جان کر کہ امت کی سترہ بڑی برگزیدہ ہستیاں ہیں شوق ہوا کہ میں جانتا، الحمدللہ کہ ایک روز ایسا ہوا کہ

نام بتائے گئے اور زیارت کرائی گئی۔

جذب اور سلوک:

تعلیم تصوف اور جذب ایک دوسرے سے پورے طور سے وابستہ ہیں، جذب اور بے تابی تعلیم کی مدد ہے تو تعلیم جذب کو بیدار کرنے والی۔ کراچی میں سید زین العابدین ایک روز چاشت کی نماز پڑھ کر مراقب ہوئے کہ ایک ایسی نسبت آئی کہ جس سے ہوش کھو گیا اور اٹھ کر ادھر ادھر گنگناتے رہے، یہ کیفیت چوبیس گھنٹے قائم رہی، دوسرے روز چاشت پڑھ کر بیٹھے کہ حضرت سیّد صاحبؒ کی طرف سے ایک ایسی نسبت وارد ہوئی کہ جس سے یہ کیفیت زائل ہوگئی۔ بتایا گیا کہ اس سلسلہ اور دوسرے سلسلوں میں فرق یہ ہے کہ یہاں جذب مغلوب اور ہوش غالب رہتا ہے ورنہ دوسری جگہ پر ہوتے تو یہ کیفیت کچھ دنوں تک قائم رہتی۔ حضرت سیّد صاحبؒ کا سلسلہ جو مرشدناؒ سے ہم تک پہنچا ہے مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ اور سیّد احمد شہیدؒ ایسی مقتدر اور مخصوص ہستیوں کے امتیاز سے آیا ہے جس میں اعتدال بھی ہے، خرد بھی ہوش بھی ہے، استدلال بھی، اس لیے عام انسانیت اور فطرت پر استحکام اور استقرار متوسلین میں پایا جاتا ہے اور باقی رہتا ہے اسی بنا پر کراچی سے لے کر برما تک سلسلہ کے اصحاب جہاں دینی صبح و شام کی مشغولیتیں اعتدال اور توازن کے ساتھ ضبط اور اہتمام کے رنگ میں رکھتے ہیں، وہیں کوئی شخص دنیاوی مشغولیتوں اور ذمہ داریوں سے الگ نہیں، بلکہ

اوقات کی پابندی اور کام کی ذمہ داری اور اس کی تکمیل ایک ہوش مند اور باخبر انسان کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں ـــــ اس سلسلہ میں جذب ہو کر مغلوب رہتا ہے، اس لیے وقت پرواز تنگی، ہائے وائے، احوال اور کیفیات آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں، مگر کیفیات اور احوال ہمہ وقت ایسے نہیں رہتے کہ کام میں خلل کے باعث ہوں اور فتور پیدا کریں۔

ابوالحسن بھائی پر جب جذب کی کیفیت ہوئی تو روزانہ صبح سے لے کر شام تک تیس میل جاتے اور واپس آتے اسی حالت میں تھے کہ حضرت مرشد نارح کا گزر ہوا، سبھی لوگ موجود نظر آئے مگر حاضرین میں ابوالحسن بھائی مرحوم نہ تھے، حضرت مرشد نارح نے پوچھا ابوالحسن کہاں ہیں، لوگوں نے کہا وہ تو از خود رفتہ ہو گئے ہیں اور روزانہ شہر کے باہر بہت دور تک آتے جاتے ہیں، اتفاق سے اسی وقت وہ اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے اشارہ کیا وہ جا رہے ہیں، حضرت مرشد نارح نے آواز دی، آواز سُن کر بھاگے ہوئے آئے، سامنے پہنچتے ہی نگاہ پڑی تو عجیب کیفیت ہوئی، بیٹھ گئے اور پھر پڑ گئے، تین دن تک غشی کا عالم رہا کہ جھنجھوڑے جاتے تو اُٹھ جاتے ورنہ ایسے ہی غشی میں پڑے رہتے، تیسرے دن کے بعد صحیح ہوش ہوا اور عام انسانوں کی طرح کھانے پینے اور کام میں لگ گئے۔ پوچھا گیا کہ کیا بات تھی جو آپ ایسا کرتے تھے فرماتے کہ میرے سامنے سورج کی طرح ایک روشنی تھی چاہتا تھا کہ اس کو پالوں اور جوں جوں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو وہ آگے جاتی، شام تک مایوس ہو کر واپس ہوتا تو وہ آگے آگے نمودار

ہوئی، یہی کیفیت جو جذب کا رنگ لیے ہوئے تھی، ملاقات اور صحبت نے حالات کو قابو میں کر لیا۔ برما کے کسی سفر میں کسی اور سلسلہ کے مجذوب اکثر حاضر رہتے، ایک روز حضرت مرشد نارح نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ آیئے آپ کا جذب سلب کر دیں، سامنے بٹھا کر سلب کرنا شروع کیا، حضرت مرشد نارح نے فرمایا کہ اس کے اندر اتنی گرمی تھی کہ سلب کرنے میں مجھے کئی مرتبہ پانی پینا پڑا، آخر میں اس کا جذب سلب ہو گیا اور وہ ہوش میں آ گیا۔

تصوّف کی تعلیم میں دو ممتاز رنگ نمایاں رہے، تشریعی رنگ کی تعلیم کے لوگ عام رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے تو تکوینی اندازِ تعلیم کے لوگ خدمات میں لیے جاتے، ارشاد کے طریق میں جس طرح مدرس، خطیب، مفتی، فقیہہ، مناظر اور مفسّر و محدث ہوتے ہیں، تکوینی خدمت میں افراد، اوتاد، اقطاب، ابدال، انخواث ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی ذمہ داریوں اور کیفیتوں کے ساتھ یہ لوگ ان ناموں سے موسوم اور متصف ہوتے ہیں۔ نسبت صوفیہ میں دونوں تربیتوں کی گنجائش ہے، اور حضرت سید عبدالباری شاہ رح چونکہ اپنے زمانہ کے غوث تھے، اس لیے اس سلسلہ کی تعلیم میں اصحابِ خدمت اور ذمہ دار صاحبِ منصب بھی ہوتے ہیں، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ صاحبِ خدمت کو مجذوب سالک ہونا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کبھی ایسا شخص بھی صاحبِ خدمت ہوتا ہے کہ جس کا جذب مغلوب ہو اور صحو اور ہوش داری غالب، ناگپور کے تاج الدین بابا ایک مشہور مجذوب صاحبِ خدمت رہے ہیں، ۱۹۲۸-۳۰ء کے درمیان

کسی سیاسی مسلک میں ان کی ایک خاص رائے تھی، مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم جو خدمت کا رنگ لیے ہوئے تھے ان سے ایک جداگانہ رائے رکھتے تھے، مجلسِ خاص میں دونوں خیالوں کے حامی رہے اور مولوی عبدالسمیع صاحبؒ کی کوشش رہی کہ ان کا غلبہ رہے۔ اس طرح پر باطنی طور پر جو باتیں طے ہو جاتیں ظاہر میں کبھی فوری کبھی کچھ دنوں کے بعد ظہور ہوتا اور روحانیین میں خاص خاص ذمہ دار خاص خاص خدمت انجام دیتے اس کی حیثیت ظاہری حکومت میں ذمہ داریوں کی سمجھنی چاہیئے کہ حقیقتاً وہ حاکم نہیں ہوتے بلکہ ایک نظام ہوتا ہے جس کو چلانے کے لیے اپنی اہلیت کی بنا پر وہ خدمت پر رکھے جاتے ہیں ورنہ صدر، وزیر اعظم وغیرہ بنتے ہیں اور محتاج، اصل میں حکومت کے لائق ذاتِ خداوندی ہی ہے باطنی نظام کے لوگوں کا حال یہی سمجھنا چاہیئے، قیومین ہوں، اغواث ہوں یا اقطاب و دیگر ذمہ دار حضرات، یہ ایسے برگزیدہ نفوس ہوتے ہیں۔ جو مشیت و مرضیاتِ الٰہی پر ڈھل جاتے ہیں اور ایسے مطبوع نظر آتے ہیں کہ نظام قدرت ان پر لمعہ فگن ہوتا ہے اور اسی نورانیت سے ان کی مجلسیں ہوتی ہیں جن کے آداب اور قوانین ہیں اور اسی کے ماتحت کام کی انجام دہی ہوتی ہے مگر جس طرح ظاہری حکام قادرِ مطلق اور مختار نہیں سمجھے جاتے، اسی طرح یہ روحانیین عزت اور کرامت پاتے ہیں۔ مگر مشیت کے تابع خدا کے بندے، اس کے ہر اشارہ کے مطیع اور فرمانبردار ہوتے ہیں، کسی اور شبہ اور شک کی یہاں گنجائش نہیں، یہ لوگ احوال اور واقعات

کا علم مجلسی اصحاب کے ذریعہ کبھی معلوم کر لیتے ہیں اور کبھی کشف اور مشاہدہ سے اندازہ کرتے ہیں، یہ سب باتیں کوئی شبہ کا مقام نہیں رکھتیں ایک حکیم چہرہ دیکھ کر جگر کا اثر بتاتا ہے تو عکس ریز آلات سے آنتوں اور دماغ کی رگوں اور پردوں تک کا علم ہوتا ہے، حکیم کو کچھ احساس رہتا ہے مگر عکس ریز جیسی بے حس چیز بھی ظاہر کرنے کا سبب بنتی ہے، نہ ان کو علم غیب ہے نہ ان کو، اس طرح اہل اللہ کے مکاشفات اور مشاہدات بھی شبہ نہ پیدا کریں وہ صفائے باطن کی بنا پر اس قسم کے احوال اپنے میں پاتے اور دیکھتے ہیں، ظاہری عالم ممارست اور محنت سے بہت کچھ دور اندیش اور بلند فہم ہو جاتا ہے تو یہ محنت اور تعلیم کا ثمر کہا جاتا ہے، باطنی تعلیم میں بھی اگر اس قسم کے آثار ہوں تو ان سے انکار کے کیا معنی۔ حضرت مرشد نارؒ ایک روز فرمانے لگے کہ ابدال چالیس ہوتے ہیں جن میں سے ۲۶ شام کے علاقہ کے اور بقیہ چودہ سارے عالم میں۔

حضرت مرشد نارؒ میں دونوں رنگ بہ ہمہ کمال موجود تھا، اسی لیے اہل علم بھی آپ سے مستفیض ہوتے اور اہلِ خدمت اور مجاذیب بھی آپ سے ملتے برما کے سفر میں تھے کہ لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک فقیر کبھی کبھی شہر میں آتے ہیں۔ خصوصیت سے جب جانوروں کی بیماری ہوتی ہے۔ اس وقت اتفاق سے وہ آئے ہوئے تھے لوگ انہیں حضرت مرشد نارؒ کے پاس لائے، فقیر خاموش بیٹھ گئے، حضرت مرشد نارؒ نے لوگوں سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ جنگل میں کیا کرتے ہیں، اس سوال پر فقیر نے آہ سرد بھری اور کہنے لگے بیس

کسی سیاسی مسلک میں ان کی ایک خاص رائے تھی، مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم جو خدمت کا رنگ لیے ہوئے تھے ان سے ایک جداگانہ رائے رکھتے تھے، مجلسِ خاص میں دونوں خیالوں کے حامی رہے اور مولوی عبدالسمیع صاحبؒ کی کوشش رہی کہ ان کا غلبہ رہے۔ اس طرح پر باطنی طور پر جو باتیں طے ہو جاتیں ظاہر میں کبھی فوری کبھی کچھ دنوں کے بعد ظہور ہوتا اور روحانیین میں خاص خاص ذمہ دار خاص خاص خدمت انجام دیتے اس کی حیثیت ظاہری حکومت میں ذمہ داریوں کی سمجھنی چاہیئے کہ حقیقتاً وہ حاکم نہیں ہوتے بلکہ ایک نظام ہوتا ہے جس کو چلانے کے لیے اپنی اہلیت کی بناء پر وہ خدمت پر رکھے جاتے ہیں ورنہ صدر، وزیرِ اعظم وغیرہ بنتے ہوتے ہیں اور محتاج، اصل میں حکومت کے لائق ذاتِ خداوندی ہی ہے باطنی نظام کے لوگوں کا حال یہی سمجھنا چاہیئے، قیومین ہوں، انواث ہوں یا اقطاب و دیگر ذمہ دار حضرات، یہ ایسے برگزیدہ نفوس ہوتے ہیں۔ جو مشیت و مرضیاتِ الٰہی پر ڈھل جاتے ہیں اور ایسے مطبوع نظر آتے ہیں کہ نظام قدرت ان پر لمعہ فگن ہوتا ہے اور اسی نورانیت سے ان کی مجلسیں ہوتی ہیں جن کے آداب اور قوانین ہیں اور اسی کے ماتحت کام کی انجام دہی ہوتی ہے مگر جس طرح ظاہری حکام قادرِ مطلق اور مختار نہیں سمجھے جاتے، اسی طرح یہ روحانیئین عزت اور کرامت پاتے ہیں۔ مگر مشیت کے تابع خدا کے بندے، اس کے ہر اشارہ کے مطیع اور فرمانبردار ہوتے ہیں، کسی اور شبہ اور شک کی یہاں گنجائش نہیں، یہ لوگ احوال اور واقعات

کا علم مجلسی اصحاب کے ذریعہ کبھی معلوم کر لیتے ہیں اور کبھی کشف اور مشاہدہ سے اندازہ کرتے ہیں، یہ سب باتیں کوئی شبہ کا مقام نہیں رکھتیں ایک حکیم چہرہ دیکھ کر جگر کا اثر بتاتا ہے تو عکس ریز آلات سے آنتوں اور دماغ کی رگوں اور پردوں تک کا علم ہوتا ہے، حکیم کو کچھ احساس رہتا ہے مگر عکس ریز جیسی بے حس چیز بھی ظاہر کرنے کا سبب بنتی ہے، نہ ان کو علمِ غیب ہے نہ ان کو، اس طرح اہل اللہ کے مکاشفات اور مشاہدات بھی شبہ نہ پیدا کریں وہ صفائے باطن کی بناء پر اس قسم کے احوال اپنے میں پاتے اور دیکھتے ہیں، ظاہری عالم ممارست اور محنت سے بہت کچھ دور اندیش اور بلند فہم ہو جاتا ہے تو یہ محنت اور تعلیم کا ثمر کہا جاتا ہے، باطنی تعلیم میں بھی اگر اس قسم کے آثار ہوں تو ان سے انکار کے کیا معنی۔ حضرت مرشد نارؒ ایک روز فرمانے لگے کہ ابدال چالیس ہوتے ہیں جن میں سے ۲۶ شام کے علاقہ کے اور بقیہ چودہ سارے عالم میں۔

حضرت مرشد نارؒ میں دونوں رنگ بہ ہمہ کمال موجود تھا، اسی لیے اہل علم بھی آپ سے مستفیض ہوتے اور اہلِ خدمت اور مجاذیب بھی آپ سے ملتے برما کے سفر میں تھے کہ لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک فقیر کبھی کبھی شہر میں آتے ہیں۔ خصوصیت سے جب جانوروں کی بیماری ہوتی ہے۔ اس وقت اتفاق سے وہ آئے ہوئے تھے لوگ انہیں حضرت مرشد نارؒ کے پاس لائے، فقیر خاموش بیٹھ گئے، حضرت مرشد نارؒ نے لوگوں سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ جنگل میں کیا کرتے ہیں، اس سوال پر فقیر نے آہ سرد بھری اور کہنے لگے بیس

برس ہو گئے انہوں نے کہا تھا چلو ہم آئیں گے۔ اسی کے انتظار میں ہوں
یہ جواب سُن کر حضرت مرشدنا رح نے فرمایا بھائی انتظار ہو تو ایسا، ایک اور مجذوب
جو حضرت مرشدنا رح کی صحبت میں اکثر آتے جاتے رہتے، وہ موجود نہ تھے
حضرت مرشدنا رح نے لوگوں سے کہا میں تو جاؤں گا دیکھو ان کو خبر نہ ہو، کہ
کہیں وہ بھی ساتھ نہ ہو لیں۔ جب مجذوب صاحب آئے تو کہنے لگے، آپ
جائیں گے، اچھا جائیے، مگر جہاں یاد کیجئے گا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ حضرت
مرشدنا رح اپنے سفر میں دوسری جگہ مقیم تھے وہاں امتحاناً مجذوب صاحب کو
یاد کیا اور وہاں سے آگے روانہ ہو گئے، عصر کا وقت تھا کہ ایک آدمی تیزی
سے آتے ہوئے نظر پڑے، قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہی مجذوب ہیں،
کہنے لگے کہ جب آپ نے یاد کیا تو میں فلاں گاؤں میں تھا، فوراً روانہ ہوا،
وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں آ چکے ہیں۔ بہرصورت حاضر ہوں یہاں پر غالباً
لوگوں میں کوئی شبہ نہ پیدا ہو گا کیونکہ آج مادیت تار، لاسلکی ریڈیو وغیرہ کی
ایجاد بہت سے کرشمے ظاہر کرتی ہے تو اگر ربط یا تعلق سے احساس اور
خبر ہو جائے تو کیا محال بات ہے۔

مجاذیب عقل بلوغی کھو چکے ہوتے ہیں، ان پر شریعت نہیں ہوتی
اور وہ احکامِ شرعیہ کے پابند نہیں ملتے، حضرت مرشدنا رح نے ایک قصہ
بیان فرمایا کہ ایک طالب علم جو شہر کے بڑے مجذوب سے بھی ملتا اور
وہاں کے مشہور عالم سالک سے بھی، عالم صاحب سے طالب علم رخصت
ہو کر چلا، مولوی صاحب نے پوچھا کہاں جا رہے ہو طالب علم نے بتایا کہ فلاں

شاہ صاحب رح کے پاس، مولوی صاحب نے کہا کہ ان سے کہنا کہ نماز
کیوں نہیں پڑھتے، وہ کہیں گے پڑھتا تو ہوں، اس کے جواب میں کہنا کہ
نماز ہر وجود پر فرض ہے، طالب علم نے جا کر ایسا ہی کہا، شاہ صاحب نے
پوچھا یہ کس نے کہا، طالب علم نے کہا مولوی صاحب نے، شاہ صاحب
پر کیفیت ہوئی اور کھڑے ہو کر دار فتگی سے متحرک رہے اور زبان سے
یہ نہ کہیں تو کہے کون، کا جملہ جاری رہا، علماء کا خیال ہے کہ مجذوبوں سے
نہ دوستی کی جائے نہ دشمنی، دوستی عوام کے لیے اس وجہ سے خطرناک ہے
کہ اس کو اپنے مسلک کا بنا لیں گے، دشمنی اس بناء پر خطرناک ہے کہ کچھ حال
معلوم نہیں کہ کیا ہیں اور کیسے ہیں۔

وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود:

وجود اور شہود کے متعلق حضرت مرشدنا حضرت سید صاحب رح کے مسلک
کی وضاحت فرماتے اور کہتے یہ حال اور مقام ہے، تفصیل اس کی یہ کہ جو لوگ
وحدت وجود کے قائل ہیں اور عالم میں یکسر نیستی اور عدم کو پاتے ہیں وہ ایک
حال میں ہیں جس سے یہ ظہور ہوتا ہے، حضرت منصور رح سے صفائے
باطن اور نفس کے تزکیہ کے بعد تجلیات کو دیکھتے ہوئے، نفس اور
وجود پر فنا طاری و ساری ہوتے ہوئے، شجر موسوی کی طرح تجلی کی آواز
آئی انا الحق یعنی یہ کوئی دھوکہ اور غلطی نہیں ہے۔ حضرت بسطامی اپنے کمال

تنزیہات سے جلی اور آراستگی سے کیفیت میں ظاہر فرماتے کہ بشریت اور آثار بشریت معدوم، سبحانی کی شان تام اور جاگزین، یہ وہ کیفیت کا اثر و نتیجہ ہوتا ہے کہ سب کچھ فنا ہونے کے بعد بقا کا استحکام ایسا نورانی اور متجلی ہوتا ہے کہ نفس کی جگمگاہٹ سب کو زیر کر دیتی ہے اور سب کچھ معدوم اور غیر موجود نظر آتا ہے اور یہ وہ دل اور عالم حصول میں ایسا متحقق اور ثابت ہوتا ہے کہ نہ شبہ کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ شک کی وہ عالم کو حباب، موج اور بھنور سا سمجھتے ہیں کہ اصل وجود پانی کا ہے جس میں یہ کیفیتیں نظر آتی ہیں، موج پر ہاتھ ڈالیے تو پانی ملے گا، حباب کو دیکھیے تو پانی ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس فرعون اپنے نفس کے تسلط کو دیکھتے اور اقتدار کو پاتے ہوئے قلب اور قالب کے ہمہ ذاتم اور نفس کے ہمہ شرور کے ساتھ:

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

کا دعویٰ بلند کرتا ہے یہ غلط فہمی کا مظاہرہ اس بناء پر ہے کہ نفس کی موٹی نگاہیں شر اور علو اور جاہ پرستی کا موٹا دبیز ظلماتی پردہ نگاہوں پر منفذ کو بند کیے ہوئے ہر طرف اپنا ہی عکس دیکھتا اور اس فانی عالم کے مجبورین اور مقہورین پر اپنی انانیت اور اقتدار کا پرچم لہراتا ہوا پا کر یقین ہوتا کہ رب اعلیٰ کی نسبت اپنی ہی طرف کرے اور یہ کیفیتِ اقتدار زبان سے ظاہر کرے، یہی وہ شخص ہے کہ جب سارے اسباب منقطع، سمندر کی گہرائیوں کے غوطہ میں پڑتا سارا اقتدار ٹوٹ جاتا، حجابات دور ہو جاتے، حقائق

سامنے آتے، نگاہوں کے سامنے سے تاریکی دور ہوتی، نفس کی قہاریت ختم ہوتی، اپنے کو مغلوب پا کر چیخ اٹھتا۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

میں ایمان لایا اس پر کہ سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔

" یہ نزع کے عالم کا مشاہدہ تھا جس کے اقرار پر علماء میں بحث ہے، مقصود یہ کہ ظلماتی حجابات میں پڑ کر نفس اپنے وجود کو اعلیٰ جان کر ربوبیت کی نسبت کرے جو مذموم کیفیت ہے۔ یا نفس کے فنا، در فنا، کے بعد انجلاء اور انشراح پر نفس زبانِ حال سے کہے کچھ نہیں ہے صرف وہ ہے اور وہ ہے، یہ وقتی کیفیت بھی بدلتی اور رنگ لیتی ہے، عالم وصول ہو یا تجلی، واصل کو فنائی اور جلوہ گاہ کو معدوم کر کے ہر اور ہو ہی کا بقاء اور نور ہوتا ہے جو دیکھنے اور جاننے میں کسی کی طرف سے ہوتا ہے، دیکھنے اور جاننے میں عادی انکار کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن اس کی صورت:

فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ

اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ بے شک میں اللہ ہوں۔

کی حیثیت سمجھنی چاہیئے، اسی طرح کی ہستیاں جب دوسری کیفیت میں ہوتی ہیں اور عالم وصول سے راجع ہوتیں تو بے قرار نعرہ زن ہوتیں۔

الٰہی عبدک العاصی اتاک مقرا بالذنوب قد دعاک
فان تغفر فانت لذاک اھل وان تترک فمن یرحم سواک

اس لیے جو جماعت عالم کا شہود اس طرح بیان کرتی ہے کہ دن میں سورج کے سامنے تارے اگرچہ وجود میں سورج کی برابری نہیں رکھتے مگر پھر بھی ان کے مضمحل اور غیر پائیدار وجود کا انکار نہیں، سورج کا سامنا ہے جس کی چمک ہر چمک کو ماند کیے ہوئے ہے جس کا وجود ہر وجود کو معدوم سا کیے ہوئے ہے، اور سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آتا بلکہ ظاہر بیں نگاہ والوں سے اگر کہیے کہ دن کے وقت بھی تارے موجود ہیں تو ہنسیں گے اور کسی طرح باور نہیں کریں گے، ان کی یہ کیفیت، ہوش، خرد، اور حقیقت کی بات کہی جائے گی یا علم، استدلال اور یقین کا فیصلہ مسلم مانا جائے گا کہ وجود تاروں اور دوسرے سیاروں، اجرام فلکی اور بروج حق ہیں اور ہمہ وقت ہیں:

وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ — اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔

موجودات ہی کے لیے نہیں بلکہ یہ زینت قائم اور مستحکم ہے جو رات کو پوری طرح جگمگاتی اور روشن نظر آتی اور دن میں اس کی جگمگاہٹ اور روشنی سورج کے سامنے جس سے جو روشنی اور جگمگاہٹ مستعار تھی، اسی کا انعکاس تھا معدوم نظر آتی ہے لیکن حقیقتاً معدوم نہیں بلکہ موجود ہوتے ہوئے مشاہد نہیں اس لیے وحدۃ الشہود جو مقام کا درجہ رکھتا ہے وجود

حق جو اصل اور کل ہے، اس کے سامنے دوسرے موجودات فانی اور معدوم سے نظر آتے ہیں، یہ فنا اور انعدام مشاہدہ کی بات ہے ورنہ حقیقت میں موسیٰ علیہ السلام اور ہیں تو فرعون اور جنت کچھ اور ہے اور جہنم کچھ اور:

۱۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ — اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ — اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی پیدا کیا۔

۳۔ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ — اور جن کو اس سے قبل آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی پیدا کر چکے تھے۔

۴۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ — اور ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تھکان نے چھوا تک نہیں۔

۵۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ — پھر آسمان بنانے کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت ایک دھواں سا تھا۔

قرآن وحدیث کے نصوص آیات، احکام وعید بشارت، عذاب ثواب سوال جواب حشر ونشر وما یستطیل بہ الامر سب کچھ وجود کا مظہر ہے اور حق کے امر کا ثبوت ہیں، وحدۃ الوجود قال کی چیز نہیں بلکہ حال کی ہے اپنے کو زبانی

بادشاہ کہنے سے جب تک بادشاہی کے اثرات نہ ظاہر ہوں زبانی بات ہوگی، پہلے لوگوں میں جو اس مسلک کے ہوتے ان پر یہ کیفیت بھی قائم ہوتی حضرت مرشد نارح نے ایک وجودی شیخ کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے رنگ بیخودی میں ایسی باتیں فرماتے کہ محتسب اور قانون و موشگافی والوں کو موقع ملتا، آخر انہوں نے قاضی کے یہاں واقعہ پہنچا کر ان کے لیے بندوق سے اڑا دینے کا حکم حاصل کر لیا۔ پیادے بھیجے گئے، حضرت شیخ جو گوشہ نشین تھے۔ مسجد کے کونے میں مقیم تھے، چاروں طرف سے بندوقیں ساتھ ہی چھوڑی گئیں کہ کوئی صورت بچنے کی نہ ہو سکے، مسجد میں دھواں سا ہو گیا، پیادے اپنے کو کامیاب جان کر چلے گئے۔ محلہ والے دوڑے تو دیکھا حضرت شیخ اسی طرح خوش و خرم ہیں۔ فرما رہے ہیں۔ خیریت ہوئی کہ آج وہی تھا ورنہ اور بڑی مشکل ہوتی تو اس طرح معلوم ہوتا یہ ان پر قال نہیں بلکہ حال اور واقعی حال ہوتا۔ واللہ اعلم۔

رؤیت باری تعالیٰ:

رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ صوفیاء، علماء اور اہل اللہ میں مختلف رہا ہے۔ عام طور سے صوفیاء کی مجلس میں رؤیت کے محقق پر اظہار ہوتا، حضرت مجدد الف ثانی رح اشاعرہ کے مسلک کو حق بتاتے ہوئے فرماتے کہ جو کچھ دید و شنید ہے وہ عالم ظلال کی ہے، ورنہ حقیقی رؤیت قیامت کو مومنین کے لیے وعدہ ہوگی، فرماتے ہیں کہ ظلال سے قدم آگے بڑھے تو حقیقت سمجھ میں آجاتی

ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا وہ عین کی تجلی تھی، ورنہ بغیر فناء دیدار ممکن نہیں، اس کی حقیقت جنتیوں کو جنت میں میسر ہوتی ہے، حضرت مرشد نارح نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کی کتاب کے کچھ اوراق ملے جس میں رؤیت پر بحث تھی، امام کی بحث تھی اور بلند۔ اس میں لکھا تھا کہ عام مومنین کو جو وعدہ ہے اولیاء امت کو یہاں نقد اولیائے امت کے لئے جو وعدہ ہے۔ عام انبیاء علیہ السلام کو یہاں نقد عام انبیاء علیہ السلام کو جو وعدہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں نقد اور جو آپ کے لیے وعدہ ہے وہ وعدہ ہے اس طرح مسئلہ کا حل شیخ نے کیا کہ عام مومنین کو دیدار کا وعدہ ہے اولیاء امت کو نقد اصل مسلک اشاعرہ کے علماء کا مسلک ہے جس کو کتاب اور سنت کی روشنی سے وہ ثابت کرتے ہیں ورنہ بعض اہل جذب نے تو یوں بھی کہا۔

من خدا را آشکارا دیدہ ام آشکارا من خدا را دیدہ ام!
تو اگر پرسی چگونہ دیدی صورت انساں خدا را دیدہ ام

اور اس طرح کی کیفیات ہیں ورنہ عالم صحو اور بیداری میں لن ترانی ہی والا حضرت مجدد الف ثانی رح عالم میں تجلی برقی فوری صوری تک کے قائل ہیں مگر یہ عالم ظلال کی باتیں ہوئیں، حقیقت اور اصل کا انتظار سب کے لیے قیامت اور قیامت ہے۔ واللہ اعلم۔

Created and shared using Adobe Scan

باب چہارم

دعوت و تبلیغ

دعوت کے دو رُخ:

انسانی زندگی کے لیے شریعت لازمی اور ضروری ہے جس کے بغیر انسانی سے حیات ممکن نہیں، جس طرح ہوا، پانی، غذا عام انسان کی صحت اور بقا کے لیے ضروری ہے، شریعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہر ایک کے لیے فرض اور ضروری ہے۔ جس طرح عام ہوا سے محروم دم گھٹ کر مرسکتا ہے، عام پانی نہ پانے والا سسک کر دم توڑ سکتا ہے۔ عام بدل ما یتحلل سے محروم آخر میں ختم ہو سکتا ہے، اسی طرح شریعت کے فرائض اور واجبات سے محروم اپنی روحانی زندگی کو کھوتا ہے اور ضائع کر دیتا ہے لیکن عام ہوا اور ہے، ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اور عام پانی اور ہے، شیریں اور لطیف پانی اور بدل ما یتحلل کے لیے غذا بھی ہے اور تفکہات بھی، عام انسان عام ہوا پانی اور غذا پر زندگی گزارتے ہیں، لیکن خواص اپنی لطافت، پاکیزگی، شستگی اور نفاست کے باعث مجبور ہیں کہ لطافت شائستگی اور خاص انداز اور طریق سے رہیں اور رکھے جائیں یہ نفس کے

تلذذ اور اس کی بالادستی سے نہیں ہے بلکہ مخصوصین کے لیے ان کی ہیئت اور صلاحیت کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے، اس طرح شریعت اصل اور طریقت اس کی لطافت ہے۔ یہاں سے دو دعوتوں کا پتہ چلتا ہے ایک دعوتِ عام جو عوام کے لیے ایک دعوت خاص جو خواص کے لیے، شریعت کی دعوت جو عام مومنین کے لیے ہے اس کی انجام دہی علماء کے ذمہ اس طرح پر ہے کہ اپنے مواعظ کے دلائل اور اقوال سے لوگوں کے ظاہر کو مائل کریں اور کلمۂ توحید اور فرائض اور احکام سے لوگوں کو آگاہ کریں، یہ بتانا اور آگاہ کرنا وعظ سے ہو، کتاب سے ہو یا رسالے اور اخبارات سے، سلف سے لے کر اب تک الحمدللہ اس کی انجام دہی ہوتی رہی اور علماء نے اپنا فریضہ جان کر درس و تدریس وعظ و نصیحت بیان اور اعلان، تصنیف کتب اور رسائل وغیرہ سے دیتے اور کرتے رہے۔ طریق اور انداز میں ہو سکتا ہے کہ یکسانیت نہ ہو۔ کوئی سیرت کی مجلس قائم کر کے، کوئی ہفتہ وار درس کا اہتمام کر کے یا کوئی اور طریق سے کام کرتا ہو مگر الحمدللہ کام کیا اور کر رہے ہیں، دوسری دعوت خاص اور خواص کی ہے، خاص اور خواص کی دعوت، کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی فرائض اور واجبات کے جاننے اور عمل پیرا ہونے کے بعد اگر کوئی خصوصی جذبہ مدارج کی بلندی اور تقرب میں تفوق کا رکھتا ہو اور یہ جان کر کہ جنت کا استحقاق فرائض کی ادائیگی سے ممکن ہونے کے بعد الان تطوع بھی کہا گیا ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ فرائض اور تطوعات کا استحکام اور پابندی مسابقت اور تقرب کا باعث

ہوتا ہے، اس پیاس کو بجھانے اور طلب کو پورا کرنے کے لیے مخصوصین تکمیل اور پرورش کے بعد تربیت اور تعلیم کا آغاز کرتے ہیں، مگر کوئی نمونہ ایسا ہو کہ جو ظاہری عالم بھی ہو اور باطنی مجاز بھی تو خواجہ اجمیری رح حضرت بسطامی رح، حضرت مجدد صاحب رح اور حضرت بختیار کاکی رح کے مظاہر بھی پیش کر سکے گا، چیز کا پہچانا اور ہے اور اس سے رنگ دینا اور الحمد للہ کہ اسلاف میں یہ سب چیزیں رہیں، اخلاف کیوں ان سے خالی رہیں۔

ضرورت شیخ:

مشائخ کے تجارب فرض یا وجوب کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن استحسان کا درجہ یقینی ہے اس طرح اگر کوئی شخص تدین بطریق تصوف جس میں تقرب بالفرائض اور نوافل کی سہولت اور آسانی ہے اختیار کرے تو قابلِ اعتراض نہیں سلفاً عن سلفٍ یہ طریق رائج رہا اور باکمال متبعین سنّت کا ہر دور میں اثر رہا۔ انکار کی گنجائش نہیں، یہ ضرور ہے کہ تصوف صور نوعیہ کا مقتضاء نہیں بلکہ صور شخصیہ کا تقاضا ہے اسی بنا پر شریعت نوعِ انسانی کے لیے فرض ہے مگر طریقت مستحسن ہے۔ صور شخصیہ کے لیے جن کو کرید اور تجسس، بیداری دور فہمی، کمالات اور تقربات حاصل کرنے کے لیے بے چین کیے رہتی ہے، ان اشغال کا کسی تجربہ کار با عمل سے لینا اور سیکھنا ضروری ہے۔

حضرت مرشدنا رح کوٹریا پار میں ماسٹر علی صاحب رح کی لڑکی کی شادی میں شریک ہوئے اثنائے گفتگو میں من لیس لہ شیخ فشیخہ الشیطان۔ کا مفہوم حاضرین سے جن میں خادم بھی تھا پوچھا اس مقولہ کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لیے شیخ ضروری ہے جس سے بعض لوگ پیر مریدی کو ضروری اور لازمی ہونے کو ثابت کرتے ہیں، حضرت مرشدنا رح نے ارشاد فرمایا کہ پیر بنانا لازمی نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر طریقت کے انداز پر کوئی شغل کرنا ہے تو کسی کی اجازت سے کرنا چاہیئے جو تجربہ اور عمل کی بنا پر نورانیت حاصل کیے ہو اور صاحب مجاز ہو، ورنہ بلا اجازت تجارب مشائخ کو کرنا پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور اکثر ان کی اصطلاح میں رجعت ہو جاتی ہے یعنی الٹا اثر ہوتا ہے اس طرح پر اس مقولہ کا مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص طریقت کے اشغال کی خواہش رکھتا ہے وہ کسی صاحب مجاز کی طرف رجوع کرے، ماثورہ اوراد جن کے لیے ہر اُمتی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت کی بنا پر نورانیت حاصل ہے ان پر شیطان کے اثر کا کوئی شبہ نہیں، ماثورہ عذر کا لحاظ ضروری ہے خلاصہ یہ کہ ابراری انداز پر جو اوراد و وظائف پڑھے جائیں اور وہ کسی سلسلہ کے نہ ہوں، ماثورہ ہوں اجازت کی ضرورت نہیں۔ اتنی ہونا کافی ہے لیکن تجارب مشائخ کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ کسی شیخ سے اجازت ہو اور اس کی صحبت، شریعت ایک بے خطر و وسیع شاہراہ ہے جس پر کوئی خطرہ نہیں کوئی رہرو آج تک

اس راہ میں بھٹکا نہیں، لیکن طریقت کی راہوں میں پیچیدگیاں ضروری ہیں کہ

بدریا در منافع بے شمار است

اس لیے موتی کے متلاشی کو غوطہ خور اور تہ رس کی مصاحبت اور اس کی تعلیم ضروری ہے ورنہ ہیں

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ

طریقۂ تعلیم :

حضرت مرشدنا کی صحبت گہوارہ تھی جس میں اطفالِ تصوف پرورش پاتے مکتب تھا جس میں انابت کی بسم اللہ ہوتی مراکز شعور بیدار کیے جاتے، انوار کا فیضان ہوتا اور لطائف بیدار ہوتے، قلب و قالب ذاکر ہوتے اگر طالب کی ہمت بلند ملتی آگے بیعت کے بعد جس میں ادائے سنت ہوتی، مقام توبہ شروع کرایا جاتا، سیر و سلوک کی ابتدا ہوتی، ناسوت ملکوت عالم خلق، عالم امر آفاق انفس کے میدانوں دریاؤں اور سمندروں سے کامیاب رہنمائی، صحیح کشتی بانی، اولیائے امت کی تائید اور انبیاء علیہ السلام کے نشانات پر پرورش کرائی جاتی۔ قدم قدم چلائے جاتے یا برق رفتار سواری سے پرواز کرائے جاتے آفاقی سمندر کے تیز دھاروں جہاں کے لیے پیدا نہ شد تختہ برکنار کا اسلاف کا اعلان ملتا، مایوس سالک، شفیق رہبر کی توجہات و عنایات سے چشم زدن میں پار نکلتا۔ سلوک کے عام فقدان کی بنا پر بہت سے بڑے دروازے بند پاسبان مایوس مگر وہاں کبھی

دروازہ کھلا کبھی بالائے باب یا گوشۂ باب سے راہ جاری رکھتے عالم امر میں سالک :

طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ

تہ بتہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔

کا مشاہدہ کر کے بے ساختہ چاہتا کہ فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ سے کچھ لے مگر مشفق رہنما آگاہ کرتے کہ یہ ظلال ہے اس کا مشاہدہ کیجئے، قدم آگے بڑھایئے، آپ کی صحبت ایک رصدگاہ تھی جہاں تجلیات چمکتی جھمکتی، سالک کی روح بلند ہو کر استقبال کرتی اور گھنٹوں لطف اور تلطف میں بے روح جسم برق زدہ بے حس رہتا، عرفان کے میدان سے گزارا جاتا، قوسین کا سا قرب بلکہ ادنیٰ کا سا رنگ آتا، ان تفصیلات کو جاننے سمجھنے اور طے کرنے کے بعد صلاحیت اور اہلیت والا رجوع کے رنگ سے دوچار کیا جاتا، رجوع کی روش پر عام سیر نہ ہونے کے باعث خودرو خاردار پودوں اور جھاڑیوں کے مثل جمنے اور رکاوٹ بننے سے رفتار میں الجھاؤ ہوتا مگر رہنما کی شفقت بے الجھے اور چبھے ہوئے صفائی کے ساتھ بڑھا لے جاتی، منازل سلوک میں جہاں کہیں دشواری ہوتی اور وادی سے چوٹی پر آنے کی سیدھی راہ مشکل ہوتی تو رہنما ربط خاص سے بلند کر تا مناروں پر چڑھنے

کے لیے جہاں سیڑھیاں زینہ نہ رکھتیں اور لمبی نشیبی سطح سالک کو ہراساں کرتی تو کامل رہنما دوسرے انداز سے بند کر لیتا۔

آداب اور قوانینِ طریقت کا لحاظ:

کسی دوسرے سلسلہ کا طالب علم جب تعلیم کے لیے آتا تو کوشش کرتے کہ جس سلسلہ میں بیعت ہو چکی ہے اسی میں چلایا جائے، طریقت کا دستور ہے کہ شیخ اگر وصال پا چکا ہے، یا ملاقات دوری مقام کی وجہ سے ممکن نہ ہو۔ تو طالب دوسری طرف تعلیم رجوع کر سکتا ہے شیخ کی زندگی کی حالت میں دوسرے کی طرف رجوع کرنے میں احتیاط اور ضابطہ کی ضرورت ہے اور مشائخ نے جو اصول اور قوانین تجربے سے مرتب فرمائے ہیں ان پر عمل ضروری ہے ایک طالب علم کے بیعت کے وقت غالباً حضرت مرشدنا کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی اجازت میں شامل کیا گیا جن سے خاندانی اجازت تھی، مگر تعلیم کی تکمیل چونکہ حضرت مرشدنا رح سے تھی، دوسرا نام خود صاحب نام نے پسند نہ کیا کہ یہ اصولی غلطی ہے کہ تکمیل جس سے ہوئی اسی کی اجازت آئندہ تعلیم کے لیے ہونی چاہیئے، اور یہ معاملہ روحانی طور پر حضرت بڑے پیر صاحبؒ کے سامنے لایا گیا اور حضرات حسنینؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وساطت سے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا اس بے احتیاطی، غلطی پر بیعت کے فسخ کا حکم صادر ہوا۔ طالب نے اپنے اس کشف کو حضرت مرشدنا رح کے پاس لکھا۔

حضرت مرشدناؒ نے لوگوں کو صاحبِ فہم بنانے کے لیے مشورہ میں شریک کیا، رائے یہ طے پائی کہ صاحبِ کشف کو دیکھا جائے کہیں اسی کا خیال نہ ہو جو سامنے کشف کی صورت میں آیا ہو، بہت دنوں تک معاملہ معرض التواء میں رہا بار بار کی ہدایت اور حکم کے بعد اخیر میں تجدیدِ بیعت کرائی گئی، ایک اور جگہ شیخ زندہ تھے ایک طالبِ علم نے تجدیدِ بیعت کی خواہش کی ظاہر میں تجدید کا کوئی عذر نہ تھا مگر طالب ایسا مستہلک تھا کہ اگر تجدید نہ ہوتی تو معلوم ہوتا تھا کہ ختم ہو جائے گا اور مر جائے گا۔ عام بیعت میں وہ بھی شامل ہو گیا۔ لیکن تجدید کے بعد مسئلہ مشائخ کی مجلسوں میں پیش ہوا اور تجدید کے جواز کی کوئی وجہ نہ بن سکی، آخر میں ہلکی تنبیہہ کے بعد کہ آئندہ ایسا نہ ہونا چاہیئے معذور سمجھا گیا، اس طرح پر آدابِ طریقت اور قوانینِ طریقت کا لحاظ ہمیشہ ضروری ہے ورنہ کبھی گرفتاری کا سبب بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم جو کسی کے مرید تھے اور سلسلۂ چشتیہ میں تھے سلسلہ کے مجاز کے پاس آئے، انہوں نے تعلیم کی خواہش ظاہر کی، حضرت مرشدنا رح سے پوچھا گیا کہ یہ تو چشتیہ سلسلہ میں مرید تھے کیا کیا جائے، فرمایا کہ تعلیم کرو۔ ایک مشہور حکیم تھے، ان کی کسی سلسلہ سے بیعت تھی اور ایک خاص بڑے بزرگ کے معتقدین میں سے تھے، سلسلہ کی طرف جب رجوع کیا۔ فیض کا احساس نہ ہوتا، کسی کا خیال ہوتا حجابِ نفس ہے کسی کا خیال ہوتا کہ جہل قلب، ایک مرتبہ حضرت مرشدناؒ تشریف فرما تھے، حکیم صاحب بھی اپنی پریشانی کے ساتھ آئے، مختلف لوگ مراقب ہوئے، مولینا عبدالسلام صاحب ارکانی خاص

طور پر متوجہ ہوئے اور گھنٹہ بھر تک کا وقت گزر گیا، مراقبہ ختم ہونے کے بعد مولوی عبدالسلام صاحبؒ نے حکیم صاحبؒ کے شیخ کا حلیہ بتایا جو اپنے ہاتھ میں شجرہ لیے ہوئے پیش کر رہے تھے کہ حکیم صاحب ہمارے آدمی ہیں اور دوسرے شیخ کا بھی اثر ظاہر ہوا، مولوی صاحب موصوف نے ان کو جواب دیا کہ یا تو آپ تعلیم کا انتظام کرائیں ورنہ اجازت دیں ہم ان کی تعلیم کریں۔ حکیم صاحب پھر نہ آئے، معلوم ہوتا ہے کہ پہلا ہی اثر قائم و دائم رہا۔

ضلع دیوریا میں ایک گاؤں ہے جہاں کے ایک صاحب کسی اور سلسلہ سے مرید تھے۔ سلسلہ میں داخل ہوئے قلب پر توجہ دی گئی کچھ پتہ نہ چلا کافی کوشش کی گئی، اثر ظاہر نہ ہوا تو پرانی تعلیم کا اثر مانع معلوم ہوا، پھر کوشش کی گئی تو پہلے سلسلہ کے حضرات رکاوٹ نظر آئے مگر جب اوپر سے فیصلہ ہوا کہ روکنے والے حق پر نہیں ہیں، رکاوٹ ختم ہو گئی کام جاری ہو گیا، اس لیے حضرت مرشدناؒ کی مصلحت تھی کہ طالب جس سلسلہ میں تعلیم میں پہلے رہ چکا ہے اسی میں تعلیم چلائی جائے اس بنا پر ہے کہ مشائخ میں انقباض نہ ہو اور کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

تبلیغ میں استغنا اور کشش:

ایک مرتبہ خادم حضرت مرشدناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، سخت جاڑے کی سردی تھی، سویرے ٹھنڈک میں جانا ہوا اور سورج نکلتے نکلتے کوہنڈہ پہنچا۔ حضرت مرشدناؒ آگ تاپ رہے تھے، بیٹھ گیا، ہاتھ، پیر گرم کیے جانے پر

سردی کا اثر ہو گیا اس لیے تھوڑی دیر بعد بدن میں درد اور حرارت بھی محسوس ہونے لگی، مگر اوقات میں بے ادب شرکت رہی اور درد و حرارت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ دوسرے دن واپسی کے وقت آدمی تلاش کیا جانے لگا کہ اسٹیشن سامان پہنچا دے، فرمایا خود سب لوگ اپنا کام کرو۔ ٹھنڈک کے لیے لحاف گدے، مہمانوں کے لیے ضرورت بھر موجود رہتے، لیکن خادم سردیوں میں جب پہنچتا تو پہلا سوال ہوتا کہ اوڑھنے کے لیے لائے ہو، جواب دیتا جی ہاں، پھر دریافت فرماتے کہاں ہے، کہتا یہ ہے، وہ وہیں پر رکھا رہتا، گھر سے نیا سامان آتا مگر پرورش کے لیے غالباً ضرورت تھی کہ سادگی اور احساس ضرورت رہے تاکہ محتاجی نہ ہو۔

۱۹۴۰ء میں پہلی مرتبہ تبلیغ کے لیے خادم کو کلکتہ بھیجا۔ ہوڑہ اسٹیشن پر آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر خفقان سا ہو گیا۔ مولا علی پر قیام تھا۔ جہاں اکثر مجاذیب فقرا آتے رہتے، آٹھ روز کے بعد گھبرا کر واپس ہونا پڑا۔ شاہ گنج سے اتر کر حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ کو بڑا تعجب ہوا، خاص اہتمام اور خیال سے بھیجا تھا، فوری ناکام واپسی پر حیرت ہوئی، پوچھا کیا بات ہے کھانے پینے کی تکلیف تھی، جواب دیا گیا نہیں، پھر کیوں چلے آئے؟ کہا کہ اتنے بڑے شہر اور مجمع میں کیسے کام ہو سکے گا اور کون متوجہ ہوگا، مشکل معلوم ہونے کی وجہ سے واپس آگیا، فرمانے لگے جاؤ اللہ اللہ کرو۔ جس کا حصہ ہوگا تمہارے یہاں آکر رہے گا، اس جملہ نے ایسی تسکین بخشی کہ وہ پھر وسوسہ دوبارہ نہ آسکا اور اس کے حیرت انگیز

اثرات تجربے میں آئے۔ حضرت مرشد نارح فرمانے لگے کہ حضرت سید صاحب کو بشارت ہوئی تھی کہ سلسلہ کو شرق سے غرب تک پھیلاؤں گا، ملاءِ اعلیٰ میں اس کی قبولیت ہو گئی ہے کوشش کرو اللہ جل شانہ اس کے اثرات جلد ظاہر کرے گا، کوشش انبیاء علیہ السلام کے لیے بھی تھی، کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔

حضرت مرشد نارح نہ اپنے لیے کوئی امتیاز پسند فرماتے اور نہ ہی اپنے لوگوں کے لیے، ایک روز خلفاء کو مخاطب کر کے فرمانے لگے دیکھو پیر بن کر نہ رہنا بلکہ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ رہتے تھے رہنا، کوئی آگ جلاتا، کوئی پانی لاتا، آپؐ بھی خدمت میں شریک نظر آتے، ورنہ ختم ہو جاؤ گے۔

تربیت میں وسعت نظری:

اسلام ایک باغ ہے جس میں لالہ و گل، نسرین و یاسمین، سوسن و نرگس، سرو شمشاد، بلبل و قمری سبھی اپنے قرینے اور اپنے انداز میں باغ کی بہار بڑھانے والے اور اس کی رونق کو دوبالا کرنے والے، آب یاری بھی ہے تر و تازہ کرنے کے لیے، نسیم بھی ہے اس کو نکھارنے کے لیے، مہکانے کے لیے، باد صرصر اس کو پامال نہیں کر سکتی، باد صبا اس کو اجاڑ نہیں سکتی کیونکہ ان میں یگانگت ہے، سبزہ بے گانہ بھی فرش مخمل کی خدمت انجام دیتا ہے نہ کہ بے گانگی کی، یہ ایک رنگی ہم آہنگی اتفاق اور نظام باغ کو قائم و دائم کے لیے مشہور اور باوقار بنائے ہوئے ہے، ایک کارخانہ ہے جس میں ڈھلائی بھی ہے، خراد بھی، رنگ آمیزی بھی ہے اور قلعی بھی، راحت کیلئے

ہوا، موافق حالات کی تیاری بھی ہے، ٹھنڈک لانے کے لیے پنکھے بھی بنتے ہیں۔ نیزے بھی ڈھلتے ہیں تلواریں بھی چمکائی جاتی ہیں، گولے بھی بنتے ہیں، بارود بھی، توپ بھی تفنگ بھی، سوئی بھی، تمغے بھی۔ صفر قوت والا اور ہزار قوت والا بھی، سب کی ضرورت ہے، سب کی کھپت، میدان کے کام بھی، گھر کی ضروریات کے بھی، راحت کے لیے بھی اور میدان جیتنے کے لیے بھی، مشین کا آدمی گاڑی چلانے والے کو ملامت نہیں کرتا، خراد والا قلعی گر کو برا نہیں کہتا کیونکہ سب ایک کارخانے کے کارگزار ہیں، اصول میں اختلاف نہیں، فروعات میں وقت نہیں ضائع کرتا، حج کا ایک جہاز ہے جس کے لیے مسافر کو کچھ گھر سے رخصت کرنے والے ہوتے ہیں۔ کچھ اسٹیشن سے، مسافر سب کے لیے نیک خواہشات اور نیک دعائیں دیتا ہے، جہاز میں یہ بھی ہوتے ہیں وہ بھی۔ اس خیال کے ماننے والے بھی اس خیال کے بھی، محدث بھی ہوتے ہیں فقیہ بھی، مقتدی بھی ہوتے ہیں امام بھی، جہاز اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے، ہر ایک اپنے کام میں مشغول، سب کی راہ ایک ہوتی سب کی منزل ایک، خدا بھی ایک کعبہ بھی ایک، عرفات میں بھی یک جائی، منیٰ، مزدلفہ میں بھی اقامت با اصول، زیارت کے لیے بھی سب کا شوق ان سب اصولی اتفاق کے ساتھ فروعی اختلافات کی نہ اہمیت ہوتی نہ گنجائش، مثبتات اتفاق کے لیے ہیں، منفیات کی اصلاح ہمدردی اور محبت کے جذبہ سے ہونی چاہیئے، کافر مرتد کہہ کر نہیں، ملعون مردود بنا کر نہیں، بھائیو اور دوستو کہہ کر، عزیز اور معزز بنا کر۔

حسن تخاطب سے، جھڑک کر اور نفرت سے نہیں، اصلاح و درستگی نہ خلیج حائل کرتی ہے نہ کام میں تعویق، اسلام میں مسجد بھی ہے، عبادت گاہ بھی، مدرسہ بھی خانقاہ بھی، موذن بھی ہے امام بھی، مقتدی ہے تو مدرک، لاحق اور مسبوق بھی ہمرازی کی جگہ بھی ہے، غزالی کی بھی، ابن تیمیہ بھی رہیں، ابن قیم بھی، ابنِ رشد بھی، مجدد بھی ہوں، محدث بھی، سرمد بھی ہوں اور اورنگ زیب بھی، اورنگ زیب نہ سرمد کے قتل کے کوشاں نہ سرمد اورنگ زیب کی حکومت کے خاتمہ کے درپے، سب میں ہم آہنگی اور اتفاق ہو ورنہ امتِ مسلمہ کو جو خسارہ ہے اور جو خسارہ ہوگا وہ ناقابلِ تلافی اور معافی ہوگا۔ ذمہ دار لوگ اپنے منسلکین اور متبعین کو ایک دوسرے پر لعن طعن، تشنیع اور نفرین سے بچنے اور اصول میں متفق رہنے کے لیے نقطۂ اتحاد قائم رکھنے کی ہدایت کریں اور سختی سے کاربند ہوں تو حالات کا رُخ بدل سکتا اور دوسرا ہو سکتا ہے حضرت مرشدناؒ کی تربیت میں وسعتِ نگاہی تھی ہر شخص کو شریعت کے حدود میں اپنے ماحول کی آزادی کا خاص اہتمام ہوتا، نقطۂ اتحاد میں جس حد تک امکانی گنجائش اتحاد ہوتی اس سے گریز نہ کرتے بشرطیکہ حدودِ شرعیہ کے اندر ہوں۔

رسومات سے احتراز:

تصوف کے کچھ مسائل ہیں اور کچھ مراسم، مراسم کی انجام دہی کو تصوف سمجھنا اور اس پر اعتراض کرنا مسلمانوں کے طور طریقے اور ان کی رسمیں دیکھ کر

دین جاننا اور اس طرح اسلام پر اعتراض کرنا جس طرح مناسب اور صحیح نہیں ہے، اسی طرح مراسمِ تصوف پر اعتراض مسائلِ تصوف پر اعتراض نہیں ہو سکتے، حضرت مرشدناؒ کے تصوف میں کوئی رسم نہیں، روزانہ صبح و شام مشائخ عظام کے لیے ایصالِ ثواب کے بعد مراقبہ، عشاء میں درود شریف، تہجد، تلاوتِ قرآن، مراقبہ پاس انفاس، وقوف قلبی پھر تفصیل سے توجہ نسبت کے ذریعہ تعلیم ہے حضرت مجددؒ سے لے کر ولی اللہی تسلسل نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ کوئی چیز تصوف میں ایسی نہ ہو جو بحث کی گنجائش رکھتی ہو، چنانچہ وحدت الوجود پر لوگ شبہ کرتے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اختلاف اس وحدت کے لیے مشہور ہے، رابطہ اور تصورِ شیخ بھی بحث کی گنجائش رکھتا تھا تو سید احمد شہیدؒ کے عہد سے بھی یہ نہ رہا۔ حضرت سید عبدالباری شاہؒ سے حضرت مرشدناؒ نے عرس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ صبح شام جو ایصال کرتے ہو یہی عرس ہے، حضرت مرشدناؒ بھی اس قسم کے اختلافی مسائل اور شبہ میں نہ پڑتے تھے۔

حضرت مرشدناؒ بنڈل میں تشریف فرما تھے کہ حضرت مولانا غلام سلمانیؒ صاحب کے صاحبزادے مولوی محی الدین صاحب ملنے آئے، مولوی صاحب موصوف نے کہا کہ ہمارے یہاں فلاں کا ختم ہوا تو اتنا خرچ ہوا، فلاں کا فاتحہ ہونے والا ہے، آپ تشریف لائیں گے، حضرت مرشدناؒ نے فرمایا نہیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے، لوگ جمع ہوں گے، قرآن خوانی ہو گی اور بس، حضرت مرشدناؒ نے فرمایا بنیادیوں ہی رکھی جاتی ہے اور بعد

میں سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ سفر کی واپسی پر صحت کافی نڈھال ہو چکی تھی، بطور وصیت فرمانے لگے دیکھو بعد میں سلسلہ چلنے کی کوئی صورت سامنے نہ تھی خطرہ تھا کہ میرے بعد کہیں ختم نہ ہو جائے اس بنا پر ہر طرح کے رطب و یابس کو میں نے جمع کر لیا تھا، لیکن الحمدللہ اب شبہ نہیں رہا، تعلیمات مرتب ہو چکی ہیں اور سمجھدار لوگ اس کے حاملین میں سے ہو چکے ہیں، اس لیے اس کو صاف ستھرا جو اس کا مقام ہے رکھنے کی کوشش کرنا اس بنا پر سلسلہ کے لوگوں کو سنت کی پیروی، تقویٰ طہارت کی پابندی اور شریعت کے قوانین پر استحکام اپنا شیوہ بنانا اور دوسروں کے اشغال کے متعلق نہ ایں کار می کنیم نہ انکار می کنیم پر عمل پیرا رہنا ضروری ہے۔

معاصرت کے غلط اثرات سے احتیاط:

حضرت سید عبدالباری شاہ رح کا خیال تھا کہ معاصرت کے غلط اثرات لوگوں میں نہ ہوں، ایک مرتبہ کوہنڈہ میں تشریف فرما تھے کہ گاؤں میں ایک بزرگ تشریف لائے حضرت سید صاحبؒ نے حضرت مرشدناؒ سے فرمایا۔ چلئے ملاقات کر آئیں وہاں تشریف لے گئے حضرت سید صاحبؒ بہت ادب و احترام سے ملے اور مؤدب بیٹھے رہے، رخصت ہونے پر حضرت مرشدناؒ نے عرض کیا، حضرت آپ نے اتنی زیادہ تواضع برتی، حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا وہ خوش ہو گئے میرا کیا گیا، حضرت مرشدناؒ نے بھی اسی انداز کو قائم رکھنے کی کوشش کی، گاؤں میں اکثر بڑے علماء کا گزر ہوتا تو آپ ان کے مواعظ میں شرکت کی کوشش کرتے۔

کسبِ حلال کا اہتمام:

آپ کے متوسلین میں ایک برما کی بہت بڑی خاتون فاطمہ نامی تھیں جو بڑی دولت والی تھیں، حضرت مرشدناؒ کی اس محنت جفاکشی کو دیکھ کر کہنے لگیں، آپ تکلیف نہ کریں، ایک گاؤں خرید لوں جس سے آپ آرام سے رہیں، فرمایا مجھ کو ضرورت نہیں، میرا یہ کام اور کسب میرے لیے کافی ہے، اللہ جل شانہ نے مجھے فارغ البالی عطا فرمائی یعنی جس طرح پر اسلاف دینی مشغولیت جہد و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ کسبِ حلال کا اہتمام بھی ضرور فرماتے، حضرت مرشدناؒ کے سامنے بھی یہ مسئلہ ضرور رہتا، چنانچہ اہل سلسلہ تقریباً سبھی کسی نہ کسی کام پر رہتے ہوئے تعلیم و تربیت کو جاری رکھتے اور تعلیم اور تربیت کرتے۔ تعلیم کے لیے جب کسی کو بھیجتے تو اس کو ضرورت کے مطابق روپے کے ساتھ روانہ کرتے اور فرماتے جہاں ضرورت پڑے فوراً لکھنا تاکہ استغنا کے ساتھ کام کر سکو اور آسانی ہو، ایسا معلوم ہوتا کہ دنیا پاس چھو کر نہیں گزری لیکن ظاہر بین دنیاوی مشغولیتوں کو دیکھ کر سمجھتے یہ بھی ان کی مشغولیت کی چیز ہے۔

جھاڑ پھونک سے گریز:

تصوف کا مفہوم عوام میں جھاڑ پھونک، گنڈہ و تعویذ ہے۔ حضرت مرشدناؒ کے والد محترم اپنے زمانے کے بڑے عاملوں میں سے تھے اور تعویذ اور پھونک کا دستور رائج تھا اگر کبھی حضرت مرشدناؒ سے فرماتے کہ یہ چیزیں

میں سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ سفر کی واپسی پر صحت کافی نڈھال ہو چکی تھی، بطور وصیت فرمانے لگے دیکھو بعد میں سلسلہ چلنے کی کوئی صورت سامنے نہ تھی خطرہ تھا کہ میرے بعد کہیں ختم نہ ہو جائے اس بنا پر ہر طرح کے رطب و یابس کو میں نے جمع کر لیا تھا، لیکن الحمدللہ اب شبہ نہیں رہا، تعلیمات مرتب ہو چکی ہیں اور سمجھدار لوگ اس کے حاملین میں سے ہو چکے ہیں، اس لیے اس کو صاف ستھرا جو اس کا مقام ہے رکھنے کی کوشش کرنا اس بنا پر سلسلہ کے لوگوں کو سنت کی پیروی، تقویٰ طہارت کی پابندی اور شریعت کے قوانین پر استحکام اپنا شیوہ بنانا اور دوسروں کے اشغال کے متعلق نہ ایں کار می کنیم نہ انکار می کنیم پر عمل پیرا رہنا ضروری ہے۔

معاصرت کے غلط اثرات سے احتیاط:

حضرت سید عبدالباری شاہ رح کا خیال تھا کہ معاصرت کے غلط اثرات لوگوں میں نہ ہوں، ایک مرتبہ کوہنڈہ میں تشریف فرما تھے کہ گاؤں میں ایک بزرگ تشریف لائے حضرت سید صاحب رح نے حضرت مرشدنا رح سے فرمایا۔ چلئے ملاقات کر آئیں وہاں تشریف لے گئے حضرت سید صاحب رح بہت ادب و احترام سے ملے اور مؤدب بیٹھے رہے، رخصت ہونے پر حضرت مرشدنا رح نے عرض کیا، حضرت آپ نے اتنی زیادہ تواضع برتی، حضرت سید صاحب رح نے فرمایا وہ خوش ہو گئے میرا کیا گیا، حضرت مرشدنا رح نے بھی اسی انداز کو قائم رکھنے کی کوشش کی، گاؤں میں اکثر بڑے علماء کا گزر ہوتا تو آپ ان کے مواعظ میں شرکت کی کوشش کرتے۔

کسبِ حلال کا اہتمام:

آپ کے متوسلین میں ایک برما کی بہت بڑی خاتون فاطمہ نامی تھیں جو بڑی دولت والی تھیں، حضرت مرشدنا رح کی اس محنت جفاکشی کو دیکھ کر کہنے لگیں، آپ تکلیف نہ کریں، ایک گاؤں خرید لوں جس سے آپ آرام سے رہیں، فرمایا مجھ کو ضرورت نہیں، میرا یہ کام اور کسب میرے لیے کافی ہے، اللہ جل شانہ نے مجھے فارغ البالی عطا فرمائی یعنی جس طرح پر اسلاف دینی مشغولیت جہد و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ کسبِ حلال کا اہتمام بھی ضرور فرماتے، حضرت مرشدنا رح کے سامنے بھی یہ مسئلہ ضرور رہتا، چنانچہ اہل سلسلہ تقریباً سبھی کسی نہ کسی کام پر رہتے ہوئے تعلیم و تربیت کو جاری رکھتے اور تعلیم اور تربیت کرتے۔ تعلیم کے لیے جب کسی کو بھیجتے تو اس کو ضرورت کے مطابق روپے کے ساتھ روانہ کرتے اور فرماتے جہاں ضرورت پڑے فوراً لکھنا تاکہ استغنا کے ساتھ کام کر سکو اور آسانی ہو، ایسا معلوم ہوتا کہ دنیا پاس چھو کر نہیں گزری لیکن ظاہر بین دنیاوی مشغولیتوں کو دیکھ کر سمجھتے یہ بھی ان کی مشغولیت کی چیز ہے۔

جھاڑ پھونک سے گریز:

تصوف کا مفہوم عوام میں جھاڑ پھونک، گنڈہ و تعویذ ہے۔ حضرت مرشدنا رح کے والد محترم اپنے زمانے کے بڑے عاملوں میں سے تھے اور تعویذ اور پھونک کا دستور رائج تھا اگر کبھی حضرت مرشدنا رح سے فرماتے کہ یہ چیزیں

مجھ سے سیکھ لو تو حضرت مرشدنا رح فرماتے کہ ان کی مجھ کو ضرورت نہیں اور اپنا دستور لابرفون ولابسترفون کا رکھتے، کوئی آتا تو صاف فرما دیتے کہ بھئی یہ دوکان میرے یہاں نہیں کہیں اور جاؤ۔ والد محترم کے انتقال کے بعد آپ کی بیاض محفوظ تھی، حضرت مرشدنا رح نے کچھ کو دفن کرا دیا اور کچھ مجربات ہندوستان کے بڑے لوگوں کو جب خبر ہوئی تو آپ سے طلب کرنے پر ان کو دے دیا لوگ مشورہ دیتے کہ چونکہ والد صاحب لوگوں کو تعویذات وغیرہ سے بھی فائدہ پہنچاتے تھے، آپ بھی اس کو قائم رکھیں، مگر آپ نے پسند نہیں فرمایا اور نہ اس کو قبول فرمایا۔

نیابت کی بنیاد اہلیت پر:

خلافت و نیابت کے متعلق حضرت مرشدنا رح کا ارشاد تھا کہ صرف وراثت بنیاد نہ ہونی چاہیئے بلکہ اہلیت اور استحقاق، کیونکہ وراثت کو جانشینی کی بنا رکھنے سے مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔ خلافت و نیابت بار امانت ہے جس میں گر لذت ہے تو درد کی، لطف ہے تو کھٹک کا، انس اور بیقراری کا، حضرت صدیق اکبر رضہ سے اس کے متعلق کوئی پوچھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضہ سے اس کے متعلق کوئی سنے حضرت عثمان غنی رضہ سے کوئی اس کو سمجھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں کوئی دیکھے، حضرات حسنین رضہ کے واقعات پڑھے تو معلوم ہوگا کہ خلافت اور نیابت کیا چیز ہے اور کیسی، یہاں طلب نفس کی خواہش سے نہیں ہوتی بلکہ بے نفسی اور فرائض کی

انجام دہی کا جذبہ ہوتا اور اس کی اہلیت اور نعمت خداوندی کے شکریہ میں اظہار۔ امامت پیشوائی کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ادائیگی فرض کے لیے، یہ احتیاط کی چیز ہے خاندان کی وراثت نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضہ نے اپنے صاحبزادے کو نہیں، حضرت فاروق اعظم رضہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کو نہیں، حضرت عثمان غنی رضہ نے اپنے خاندان کے فرد کو نہیں بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں شوریٰ اور اجماع امت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ حضرت مرشدنا رح سے بعض لوگوں نے کہا کہ اپنے بڑے پوتے کو تعلیم کر دیں۔ حضرت مرشدنا رح نے فرمایا کہ ان کے اجداد کی وراثت زمینداری کو بگڑنے نہیں دیا گیا، یہ وراثت تو جس کا حصہ ہے اس کا ہے، مولوی نذیر صاحب رح اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے اور مریدوں کو مولوی عبدالسلام صاحب کے سپرد کر گئے تو حضرت مرشدنا رح کو یہ خبر سن کر خوشی ہوئی کہ صرف خاندان کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔ اہلیت و استحقاق کا خیال بہمہ احوال اور ہمہ وقت ضروری اور لازمی ہے۔

سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت:

حضرت سید صاحب رح کو جو بشارت ہوئی کہ سلسلہ شرق سے غرب تک پھیلے گا۔ اس کے ظہور کے کچھ آثار نمودار ہیں، ہندوستان، پاکستان میں بیشتر جگہوں پر اس کے مراکز قائم ہیں یہاں سے عام تبلیغ ہوتی ہے بنگال (بنڈل) میں حضرت مرشدنا رح کی قائم کردہ خانقاہ حضرت سید صاحب رح کے مزار اور مسجد کے قریب ہے یہاں سے پورے کاموں کی نگرانی ہوتی ہے، دہلی

مجھ سے سیکھ لو تو حضرت مرشدنا رح فرماتے کہ ان کی مجھ کو ضرورت نہیں اور اپنا دستور لا برفون ولا بسترفون کا رکھتے، کوئی آتا تو صاف فرما دیتے کہ بھئی یہ دوکان میرے یہاں نہیں کہیں اور جاؤ۔ والدِ محترم کے انتقال کے بعد آپ کی بیاض محفوظ تھی، حضرت مرشدنا رح نے کچھ کو دفن کرا دیا اور کچھ مجربات ہندوستان کے بڑے لوگوں کو جب خبر ہوئی تو آپ سے طلب کرنے پر ان کو دے دیا لوگ مشورہ دیتے کہ چونکہ والد صاحب لوگوں کو تعویذات وغیرہ سے بھی فائدہ پہنچاتے تھے، آپ بھی اس کو قائم رکھیں، مگر آپ نے پسند نہیں فرمایا اور نہ اس کو قبول فرمایا۔

نیابت کی بنیاد اہلیت پر:

خلافت و نیابت کے متعلق حضرت مرشدنا رح کا ارشاد تھا کہ صرف وراثت بنیاد نہ ہونی چاہیئے بلکہ اہلیت اور استحقاق، کیونکہ وراثت کو جانشینی کی بنا رہنے سے مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔ خلافت و نیابت بار امانت ہے جس میں گر لذت ہے تو درد کی، لطف ہے تو کھٹک کا، ٹیس اور بیقراری کا، حضرت صدیق اکبر رضہ سے اس کے متعلق کوئی پوچھے ..... حضرت عمر فاروق اعظم رضہ سے اس کے متعلق کوئی سنے حضرت عثمان غنی رضہ سے کوئی اس کو سمجھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں کوئی دیکھے، حضرات حسنین رضہ کے واقعات پڑھے تو معلوم ہوگا کہ خلافت اور نیابت کیا چیز ہے اور کیسی، یہاں طلب نفس کی خواہش سے نہیں ہوتی بلکہ بے نفسی اور فرائض کی

انجام دہی کا جذبہ ہوتا اور اس کی اہلیت اور نعمتِ خداوندی کے شکریہ میں اظہار۔ امامت پیشوائی کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ادائیگی فرض کے لیے، یہ احتیاط کی چیز ہے خاندان کی وراثت نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضہ نے اپنے صاحبزادے کو نہیں، حضرت فاروقِ اعظم رضہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کو نہیں، حضرت عثمان غنی رضہ نے اپنے خاندان کے فرد کو نہیں بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں شوریٰ اور اجماع امت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ حضرت مرشدنا رح سے بعض لوگوں نے کہا کہ اپنے بڑے پوتے کو تعلیم کر دیں۔ حضرت مرشدنا رح نے فرمایا کہ ان کے اجداد کی وراثت زمینداری کو بگڑنے نہیں دیا گیا، یہ وراثت تو جس کا حصہ ہے اس کا ہے، مولوی نذیر صاحب رح اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے اور مریدوں کو مولوی عبدالسلام صاحب کے سپرد کر گئے تو حضرت مرشدنا رح کو یہ خبر سن کر خوشی ہوئی کہ صرف خاندان کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔ اہلیت استحقاق کا خیال ہمہ احوال اور ہمہ وقت ضروری اور لازمی ہے۔

سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت:

حضرت سید صاحب رح کو جو بشارت ہوئی کہ سلسلہ شرق سے غرب تک پھیلے گا۔ اس کے ظہور کے کچھ آثار نمودار ہیں، ہندوستان، پاکستان میں بیشتر جگہوں پر اس کے مراکز قائم ہیں جہاں سے عام تبلیغ ہوتی ہے بنگال (نبڈل) میں حضرت مرشدنا رح کی قائم کردہ خانقاہ حضرت سید صاحب رح کے مزار اور مسجد کے قریب ہے یہاں سے پورے کاموں کی نگرانی ہوتی ہے، دہلی

پورینہ، ہنفیئہ (بہار) استھاواں، (بہار شریف کے قریب) اور ٹاٹا نگر میں مرکزی انداز پر کام ہو رہا ہے۔ بہار کا کوئی ضلع شاید ہی خالی ہو۔ اڑیسہ میں پوری، رنگھالو، وغیرہ میں مراکز ہیں، کلکتہ میں بھی دس بارہ آدمی ذمہ داری سے کام چلا رہے ہیں۔ آسام۔ گوال پاڑہ میں بھی اچھا خاصہ اثر ہے اور مردوں اور عورتوں کی کافی تعداد سلسلہ میں ہے۔ نو گاؤں میں بھی کام کرنے والے ہیں اور سلسلہ کا کام چل رہا ہے۔ یو۔پی کے بھی بیشتر ضلعوں میں کام پھیل رہا ہے۔ جون پور بنارس، اکبر پور، جلال پور، مئو مبارک پور، بستی، گورکھپور، گونڈہ، بہرائچ الہ آباد، فتح پور، ہسوہ، لکھنو، کانپور، سہارن پور، مراد آباد، بجنور، آگرہ، میرٹھ، متھرا، اور علی گڑھ وغیرہ اضلاع اور شہروں میں کام کے مراکز ہیں۔ اعظم گڑھ سے مرکزی انداز پر کام ہو رہا ہے، مدراس شہر میں بھی مرکز ہو گیا ہے اور بنگلور میں بھی، بمبئی اور مالیگاؤں میں بھی متوسلین کی بڑی تعداد ہے، بڑودہ میں بھی کام شروع ہو گیا ہے۔ احمد آباد شہر میں اچھی خاصی تعداد ہو چکی ہے۔ مدھیہ پردیش میں بھوپال، باسودہ، جنار دیو، اجین اور سرونج میں کام بڑھ رہا ہے، راجستھان میں جے پور، جودھپور، بیکانیر، اجمیر، بوندی، اودے پور اور کانکرولی میں کام پہنچ چکا ہے۔

مشرق میں بھی غالباً کوئی ضلع خالی ہو، بیشتر جگہوں پر مراکز ہیں چاٹگام، کرنا فلی فرید پور، باری سال، ڈھاکہ (اور اس کے نواح میں) نواکھالی، کشٹیا، کھلنا وغیرہ مخصوص جگہیں ہیں۔ حضرت مرشدنا رح کے خلفاء اور ان کی جماعتیں بھی مختلف مرکزوں اور حدود میں کام کرتی اور ذمہ داری پوری کرتی ہیں۔ حالی شہر، چنوتی

ستکنیا، گازنگیا اور دوسرے علاقوں میں بھی ذمہ دار اصحاب موجود اور سرگرم عمل ہیں۔ اسی طرح کراچی میں بھی بڑا مرکز ہے اور ملتان میں بھی کام شروع ہو گیا ہے غرض مشرق، مغرب، ہندوستان کے طول و عرض میں کام جگہ جگہ مرکزاً اور سفر سے ہو رہا ہے۔ ارکان، رنگون، مانڈلہ اور دوسرے علاقوں میں بھی کام پھیل گیا ہے۔ ملایا میں بھی کام ہوا ہے۔ اگرچہ ابھی متوسلین ہندوستانی ہی ہیں۔ ایران، انگلستان، ماریشس، اور مکہ معظمہ میں بھی کام شروع ہو چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک بڑی فہرست ہے ممکن ہے گنانے سے رہ جائے، الحمد للہ کام بڑھ رہا ہے۔ لوگوں کی ہمتوں کو بلند ہونا چاہیئے اور آئندہ کام کی ذمہ داریوں کو اہلیت اور صلاحیت سے چلانا اور نبھانا چاہیئے۔ یہ سب حضرت مرشدنا رح کی دعاؤں، کوششوں اور برکتوں کا ثمر اور نتیجہ ہے۔

متعلقین کی ذمہ داری:

دوستو! سننے کے لیے بہت سی کہانیاں ہیں، جاننے کے لیے بہت سے حالات ہیں اور رہنے کے لیے بہت سے مکان، لیکن خرابی خراب حالات خراب اوقات اور خراب جگہوں پر بھی خرابی ہے مگر یہی خرابی جب اچھے اوقات اچھے حالات اور اچھی جگہوں پر ہو تو کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر یہ اندازہ اور یقین ہے کہ سلسلہ اتباع سنت کے لیے، تعلیمات صحیح فیضان کے لیے تو مقصود سے ایک لمحہ بھی غفلت قابلِ معافی نہیں کہ جگنے جگانے والوں کے کردار پر سیاہ دھبہ ہے، مبادا کہیں اس بھول چوک میں ہم نہ

پڑ جائیں اور اپنے بڑوں کے کارناموں کو قصے اور کہانیاں نہ بننے دیں اس لیے بڑی ذمہ داری ہے، ہوشیاری کی بات ہے، جاگ نہیں سکے ہو تو پھر سے جاگو، غفلت دور نہیں ہوئی تو دوبارہ ہوشیاری کی کوشش کرو، نہ کچھ کر سکے ہو تو کرو، یہی وقت کی پکار ہے اور سب اسی کے منتظر۔

دوستو! صدیقین کی شان تو بہت بڑی ہے، یہ وہی رہروی ہے، اگر حوصلے بلند ہوں تو مشکل نہیں لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو کوئی حرفِ شکایت نہیں کیونکہ ہم سب ایسے وقت کے لوگ ہیں کہ جہاں مادیت نے ایسا غلبہ پا لیا ہے کہ روحانیت اور اخلاص کا صحیح مفہوم اور روشن جھلک ہماری نگاہوں اور ہمارے قلوب میں نہیں اتر پا رہی ہے، یاد رکھیے کہ یہ قافلہ اور یہ جماعت صرف اس لیے اٹھ رہی ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ مادی غلط جگمگاہٹوں سے ہم خیرہ نہ ہوں بلکہ اس کے مثالی پردے کی غیر واقعیت کو آشکارا کریں، حقیقی راہ سامنے لائیں، اور اس پر چل کر لوگوں کو بتائیں کہ طلب ہے تو خدا کی مطلوب ہے تو وہی حالات کے جو زمزمے ہم کو پھسلائیں گے نہیں، مختلف دھوکے ہم کو بہکائیں گے نہیں، ہم اگر گریں گے تو کھڑے ہوں گے، چلیں گے تو ٹھوکریں ہم کو بے بس نہ کریں گی۔ خار ہمارے لیے گل بنیں گے اور خدا کا نام لے کر منزل کو جا لیں گے، سعی بیشتر بہتر، انسانی کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں، مگر بیداری کا مفہوم یہ ہے کہ خامیوں سے آگاہی پر ہوشیاری برتی جائے، رہزن کے قریبی خطرہ سے آگاہ رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسلاف نے جو گراں مایہ متاع ہم تک حفاظت اور عمدگی کے ساتھ پہنچایا ہے ہماری نااہلی، غفلت،

حبِ دنیا، حبِ جاہ ان کو کھو دے اور ضائع کر دے، اس جملہ پر ہم بار بار دھیان دیں کہ ہم ایسا نہ ہونے دینگے۔ نہ ہونے دیں گے اور اس عہد کو جینے مرنے تک مردانہ عہد جانیں گے۔

جاگیں گے اور جگائیں گے — غفلت دُور بھگائیں گے
امن کی دعوت لائیں گے — حق کا وعظ سنائیں گے
اُلجھی کو سُلجھائیں گے — سیدھی راہ چلائیں گے۔

واللہ الموافق والسلام

باب پنجم

شجرۂ طریقت

سلسلہ کا تعارف:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیتوں اور ان کے پاک کارناموں سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ سارا عالم واقف ہے، حضرت سید عبدالباری شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولینا غلام سلمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، صوفی فتح علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صوفی نور محمد صاحب پھانگامی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے اس سلسلہ سے وابستہ ہیں آپ کے متوسلین اندراج النہایت فی البدایت کے اصول پر کاربند اور نسبتِ صوفیہ کے حامل ہیں۔

چشتیہ نظامیہ سلسلہ سے آپ کا تعلق حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ہے، دیگر سلاسل کے ائمۂ سلاسل نے اویسی طریقہ پر تید صاحب کو خود اجازت و خلافت بخشی۔

واللہ یختص برحمتہ من یشاء

شجرہ سلسلہ عالیہ قادریہ

(منظوم فارسی)

الٰہی اَنتَ حَنَّانِی الٰہی اَنتَ مَنَّانِی — وَرَانِی عَبدُکَ العَاصِی الرَّثِیمُ المُذنِبُ الجَانِی

گناہم گرچہ افزون ست از ریگِ بیابانی — گمر با اِنِ لطفِ تست بیش از ابرِ نیسانی

بہ آبِ رحمتِ خویشم عطا کن پاک دامانی

الٰہی از برائے باعثِ ایجاد بحر و بر — محمد مصطفےٰ شاہِ رسولاں شافعِ محشر

زمین از وصل او ساکن فلک در شوقِ او مضطر — نباشد در جہاں از وے کسے بعد از خدا برتر

کہ باشد بر درش جبریل مصروفِ مگس رانی

الٰہی از پئے شاہِ ولایت سرورِ صلحاء — در علم نبیؐ شیرِ خدا آں حیدرؓ والا

پئے پروردۂ دوشِ نبیؐ آں سید الشہداء — حسینؓ ابن علیؓ جانباز راہِ مرضیٔ مولا

بسیرت حیدرِ ثانی بصورت ماہِ کنعانی

الٰہی بحرِ زین العابدین آں صابرِ اکبر — الٰہی از پئے باقرؒ الٰہی پئے جعفرؒ

بہ موسیٰ کاظم و موسیٰ رضا آں ہر دو خوش گوہر — برائے حضرت معروف کرخی عارفِ داور

برائے سریؒ سقطی راز دارِ سر پنہانی

الٰہی از پئے حضرت جنیدؒ و شیخ شبلیؒ ہم — پئے عبدالعزیز و بہر بوالفضل آں شہ ماہ

برائے بوالفرح و بوالحسن آں مکرم و اعظم — برائے بوسعید آں بامِ عرفان گریں مسلم

الٰہی چہرۂ رستم ساز بر شہوات نفسانی

الٰہی از پئے غوث الوریٰ محبوب سبحانی — کہ دارد بر شہانِ کشورِ عرفان قلم رانی
محی الدین عبدالقادر[18] آں مخدوم گیلانی — امام الاولیاء شیخ المشائخ شاہ لامکانی
بود از پرتوِ روئے منیرش دہر نورانی

الٰہی از برائے خاصۂ درگاہ یزدانی — شہ کونین عبدالباری[19] آں سلطان دورانی
کہ ذاتِ اوست دریاغ امامت سروِ بستانی — اگر رضواں بیابد بر مزارش فخرِ دربانی
نہ پیچد در سرش ہرگز ہوائے باغِ رضوانی

کفِ دریا نوالِ اوکند گر گوہر افشانی — بمالد دستِ حسرت چرخ از کوتاہ دامانی
تعالی اللہ چہ شانِ برتر است از فہمِ انسانی — منِ بیچارہ را دعوائے مدحِ اوست نادانی
خموشی از ثنائے اوست بس حق ثنا خوانی

الٰہی از پئے قطب الوریٰ شاہنشہِ دوراں — شہِ من حافظ احامد حسن[20] آں عارفِ یزداں
چراغِ طورِ عرفاں کنزِ مخفی خسروِ ذی شاں — نہ دارد بحرِ زخارِ کمالِ اوحد و پایاں
خود ہنگامِ مدحِ او شود مبہوت و حیرانی

الٰہی از پئے حافظ سعید[21] آں مرشدِ اکرم — تعالی اللہ بہ ذاتِ او چہ فیضان ست ہمچو نم
ہزاراں تشنہ لب گردند سیراب نمش ہر دم — بود روئے منیرش روشنی بخشِ ہمہ عالم
جہاں تیرہ را ذاتش بود شمعِ شبستانی

الٰہی من غلط کارم غریقِ چاہِ عصیانم — بدی کردم ز حالِ زار خود باشم پریشانم
بدرگاہِ تو رو آوردہ ام لیکن پریشانم — گر از برگِ درختاں بیشتر باشد گناہانم
بیفشانی بیک دم گر نسیمِ لطفِ جنبانی

الٰہی دردِ خود بر استقلال و ہمت دہ — بچشمِ من حقیرم کن بچشمِ غیر عزت دہ

خداوندا مرا راہِ سوئے گنجِ حقیقت دہ — زبانِ صادق و رزقِ حلال و حسنِ نیت دہ
وَهَبْ لِي رَحْمَةً يَا رَبِّ وَالْطِفْنِي بِغُفْرَانِي

الٰہی آں چناں ہر لحظہ باشم در وصالِ تو! — کہ گردد قلبِ من آئینۂ حسن و جمالِ تو
نہ ماند در دلم غیر از تمنائے وصالِ تو — امیدم ہست کز افتد بر من مسکین ظلالِ تو
کہ من یک ذرہ ناچیزم و تو آں مہرِ لمعانی

عطا کن چاشنی ذکرِ خود یا رب زبانم را — فدائے راہِ خود ساز اے خدا روح و روانم را
بکن پروانۂ روحِ محمدؐ شمعِ جانم را — ز آبِ رحمتِ خود تازہ کن کام و دہانم را
کہ مور تشنہ ام یا رب تو بحرِ لطف و احسانی

شجرۂ طیبہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

(منظوم فارسی)

پس از حمدِ خداوند نعمتِ آں محبوبِ سبحانی — بدرگاہِ تو یا رب آمدم با صد پشیمانی
گنہگارم و دارم امیدِ لطفِ رحمانی — خداوندا عطا فرمائے ما را ذوقِ ایمانی
طفیلِ سرورِ عالم امامِ حزبِ روحانی

الٰہی حشرِ من کن در گروہِ پاک صدیقاں — پئے صدیقِ اکبرؓ[2] ہم برائے حضرتِ سلمانؓ[3]
الٰہی از برائے قاسمؓ[4] و ہم جعفرؓ[5] ذیشاں — الٰہی خرقۂ زہد و اطاعت در برم پوشاں
برائے بایزیدؓ[6] و بوالحسنؓ[7] آں خواجہ خرقانی

بسر کردم الٰہی عمر خود در کار ناز یبا — گر رحمت تو افزوں آید ارب از خطائے ما

تو در بیچارہ بیچارہ مرحمت فرما — برائے خواجہ حضرت دوستی نماز مدی

ہم از بہر جناب و سفیر فرشتن ہدایت

الٰہی از برائے خواجہ عبد الخالق ذیشاں — الٰہی بہر خواجہ عارف آں مست نے عرفاں

الٰہی از برائے خواجہ محمود آں مہ تاباں — پئے خواجہ علی رامیتنی مرجع دوراں

محمد ارتضا کن عزت کونین ارزانی

الٰہی از پئے بابا سماسی نیکو سیر آئیں — الٰہی از پئے سید کلال آں صاحب تمکیں

دل ما مارا وہ ز آب لطف خود تسکیں — الٰہی از پئے خواجہ بہاء الملۃ والدین

محمد نقشبند آں خسرو ملک خدا دانی

الٰہی از پئے خواجہ علاء الدین مہ انور — برائے خواجہ یعقوب چرخی آں شہ باقر

الٰہی از پئے خواجہ عبید اللہ تام آمد — پئے مولانا زاہد آں ولی خالق اکبر

خداوندا بر ایمانم بری از عالم فانی!

پئے مولانا درویش محمد عارف نامی — الٰہی از پئے خواجہ محمد عارف امکنگی!

الٰہی از برائے باقی باللہ بندۂ باقی — الٰہی از برائے آں امام پاک سرہندی

مجدد الف ثانی شیخ احمد قطب ربانی

الٰہی از برائے سید آدم عارف ربانی — الٰہی از برائے سید السادات عبد اللہ

الٰہی از پئے عبد الرحیم آں شاہ حق آگاہ — الٰہی از برائے حضرت شاہ ولی اللہ

امام دوم شاہ عبد العزیز ثانی!!

الٰہی از پئے عبد العزیز آں عالم وحید — کریم ابن کریم ابن کریم و اکرم و امجد

برائے کشتہ راہ خدا و زندہ سرمد — امام دوم شاہ شہید آں سید احمد

الٰہی در پناہم دار از وسواس شیطانی

الٰہی از پئے نور محمد صوفی انور — برائے صوفی فتح علی آں ناصر داور

ز بہر ارشاد آسمان علم را محور — چراغ بزم عرفاں طالبان را ہادی و رہبر

جنید وقت شبلی زماں مولانا سلمانی

الٰہی از برائے مہبط انوار رحمانی — امام دوم را بنا کشتہ مقتدی ثانی

جناب عبد باری دودمان شاہ گیلانی — تعالی اللہ چہ می بینم ز ذات سلطانی

کہ مور در گمش رامی سزد ناز سلیمانی

الٰہ العالمین بہ خبار خاک اقدامش — کہ بردارند عدی ملائک ناز حدامش

زمین و آسمان بر حق شہ ما زد آیامش — کمالش بیکریں و حافظ حامد حسن نامش

شہ بہر شد من ہادی و محبوب سبحانی

الٰہی من بہ طاکارم الٰہی من گنہ گارم — ضعیفم ناتوانم تاب عدل تو نمی دارم

رواں پاک ایشاں را بدرگاہت شفیع آرم — ترحم کن کہ رحمانی بدی کردم کہ بدکارم

فَوَفِّقْنِیْ لِمَا تَرْضٰی وَرَبِّ اغْفِرْ لِعِصْیَانِیْ۔

شجرۂ سلسلۂ عالیہ شاذلیہ

(منظوم فارسی)

یا الٰہی بدرت بندۂ ناداں آمد — در سیہ کاریٔ خود سر بگریباں آمد
گرچہ از بارِ گنہ خائف و ترساں آمد — نگرِ مژدۂ الطافِ تو خنداں آمد
نظرِ لطف بفرما کہ پشیماں آمد

یا الٰہی پئے آں بادشہِ کون و مکاں — شافعِ روزِ جزا باعثِ ایجادِ جہاں
سیدِ جمعِ رُسل مبطِ نظمِ قرآں — من بیچارہ کشائم بثنائش چو زباں
خود خداوندِ جہانش چو ثنا خواں آمد

یا الٰہی پئے آں سرورِ تسلیم و رضا — آں درِ علمِ نبیؐ شیرِ خدا حیدرِ ولا
اسد اللہ علیؓ ضیغمِ میدانِ وغا — سرگروہِ صُلحا گوہرِ دریائے سخا
آں کہ فیضش خضرِ جادۂ ایماں آمد

یا الٰہی پئے نوبادۂ گلزارِ نبیؐ — آں فدائے رہِ حق یعنی حسینؓ ابنِ علیؓ
بہرِ سجاد شہِ آں گلبنِ باغِ نبویؐ — وز پئے باقرؒ و جعفرؒ کہ امام اند و صفی
بہرِ کاظمؒ کہ شہِ کشورِ عرفاں آمد

یا الٰہی بطفیلِ شہِ موسیٰؒ رضا — بہرِ معروفؒ و پئے بوالحسنؒ اہلِ ولا
یا الٰہی بجنیدؒ شہِ تسلیم صفا — پئے شبلیؒ و پئے عبدِ عزیزؒ والا
بہرِ بوالفضلؒ کہ با فضلِ فراواں آمد

یا الٰہی پئے آں بوالفرحؒ عالی جاہ — ... وز پئے بوالحسنؒ آں تدوہ عشاق الٰہ
یا الٰہی پئے آں عارفِ توحید پناہ — بوسعیدؒ آں کہ بدو اقلیمِ ولایت را شاہ
کہ گزیں قافلہ سالارِ بزرگاں آمد

یا الٰہی پئے آں ساقیٔ جامِ عرفاں — شمعِ بزمِ صلحا سرورِ بزمِ خاصاں
عبدالقادرؒ شہِ جیلانی شاہِ شاہاں — سروِ گلزارِ نبی تاجِ رؤسِ پاکاں
آں کہ در قالبِ دیں از نفسِ جاں آمد

یا الٰہی پئے آں عاشقِ ربِ متعال — بوالحسن شاذلی آں شمسِ ایوانِ کمال
گلبنِ باغِ جمال و مہِ گردونِ جلال — صاحبِ سلسلۂ خاص و شہِ جرِ نوال
آنکہ نقشِ قدمش رہبرِ خاصاں آمد

اے خداوندِ جہاں از پئے آں شیخِ اجل — تربیت یافتۂ خاص دبستانِ ازل
نمازنِ علمِ لدُنی گلِ بستانِ عمل — غایتِ مرتبہ اش عقدۂ مالا ینحل
کہ بہ وصفش خرد انگشت بدنداں آمد

قبلۂ کعبۂ من سیدِ عبدِ باری — ہست در دو جہاں تلزمِ فیضش جاری
جوشِ عشقش بہ رگِ اہلِ دو عالم ساری — چرخ را ہست مگر تشنۂ مہرش طاری
کہ بہ وجد آمد و در رقص چو مستاں آمد

آں امامِ صدی چار دہم بے اشباہ — جامعِ جملہ کمالاتِ محبانِ اللہ
پُر تو مہرِ رسالت شہِ با شوکت و جاہ — شد بکونین بیا نعلِ ماشاء اللہ
در برش خلعتِ تجدید چو ابرِ نیساں آمد

یا الٰہی پئے آں سرورِ مردانِ خدا — محورِ چرخِ ہدیٰ مرکزِ پرکارِ ولا!

جامع علم و عمل صاحبِ زہد و تقوٰے — ضو نورِ ازل از ناصیہ اش جلوہ نما
از رخش بزمِ جہاں رشکِ چراغاں آمد

شیخ حامد حسن آں حافظِ قرآنِ مجید — نوحہ آناق گزیں بندۂ خلاقِ حمید
صدرِ بزمِ صلحا ہمچو در انجم خورشید — کہ کسے مثل ندیدش بجہاں ہیچ ندید
در رہِ مدحتِ او نا ظمہ حیران آمد

یا الٰہی بطفیلِ شہِ ہاہوت مقام — یعنی حافظ سعید اہلِ ورع ماہِ انام
مرشد و ہادیٔ من سرورِ ریاضِ اسلام — صورتِ ابرِ گہربار بود فیضش عام
خامۂ گل ہر چہ بود بہرِ او یکساں آمد

آں چناں کرد ستمگاری نفس آزردہ — صورتِ قالبِ بے جاں شدہ ام افسردہ
بادِ چاک دلبِ خشکِ رخِ پژمردہ — نام عشاق بہ پیشِ تو شفیع آوردہ
رحم فرما سگِ درگہِ پاکاں آمد

شجرۂ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

(منظوم فارسی)

اے خداوندِ جہاں دے خالقِ صبح و مسا — اے بری از کیف و کم دے برتر از چون و چرا
ما بعید و تو خدا ما عاجز و تو کبریا — ما سیہ کاریم تو بخشندۂ جرم و خطا
عدل باشی گر برانی در بہ بخشی لطف تست — سر نہادم بر درت کن ہر چہ خواہی اے خدا
سرکشیہا کردہ ام و سایم کنوں سر بر درت — خود ز تو خواہم پناہ از چشمِ تو شاہنشہا
نیست مصیانِ من از چہ در خور بخشیدنی — خود بفرمائی روم از آستانِ تو کجا
ہم چناں کز لطف فرمودی بقرآں واتبعوا — از پئے خاصانِ خود بہ پذیر یارب این دعا
گر پہ نی کردم ہماں کاری کہ شد ناکردنی — تو بفرما آنچہ در خور باشد احسانِ ترا!
یا الٰہی از پئے آں عالمِ علم لدن — باعثِ ایجادِ عالم شافعِ روزِ جزا
مقتدائے آفرینش منتہائے مرسلین — کز قدومِ او خبر دادند جملہ انبیا
سرورِ خیلِ رسل آں امجد عالی مقام — باد بر او حسن درودِ ایزدی صبح و مسا
یا الٰہی از پئے آں نائبِ ختمِ رسل — حضرت صدیق اکبر یارِ غارِ مصطفٰے
یا الٰہی بہرِ شمعِ جمعِ اصحابِ نبی — حضرت سلمان ضیائے آفتابِ اجتبا
یا الٰہی از پئے شمشادِ گلزارِ رسول — آں امامِ قاسم والا گہر بدر الدجٰے
دہ مرا اے ذوالجلال از لطفِ خود صدقِ مقال — از برائے جعفر آں مجموعہ صدق و صفا
یا الٰہی کن مرا از بادۂ توحیدِ مست — از برائے بایزید آں قدوۂ اہلِ صفا

یا الٰہی خرقۂ زہد و اطاعت کن عطاء — بہرِ خواجہ بوالحسن[8] خرقانی اہلِ دُلا

یا الٰہی بر دلم بکشا درِ علمِ نبیؐ — از برائے بوعلی[9] آں نیّرِ بُرجِ علا

یا الٰہی حُسنِ خلق و حُسنِ نیّت دہ مرا — بہرِ خواجہ یوسف[10] ہمدانی فرّخ لقا

یا الٰہی کن مرادر ہر دو عالم سرخ رو — از برائے خواجہ عبدالخالق[11] حق آشنا

کُن شناسائے خودم یارب کہ بشناسم ترا — بہرِ خواجہ عارف[12] آں یزداں شناس و رہنما

یا الٰہی از برائے خواجہ محمود علی[13] — وز پئے خواجہ علی[14] رامیتینی مقتدا

یا الٰہی از پئے بابا سماسی[15] تقی — وز پئے سیّد کلال[16] آں مستِ جامِ اصطفا

یا الٰہی از پئے آں صدرِ بزمِ عارفاں — سروِ گلزارِ طریقت محورِ چرخِ تقا

حضرتِ خواجہ بہاء الدین[17] محمد نقشبند — کارواں سالارِ پاکاں محرمِ رازِ خدا

یا الٰہی از پئے آں سیّدِ والا گہر — پرتوِ مہرِ رسالت سروِ باغِ مجتبےٰ

ماہِ کامل آں امامِ دورۂ رابع عشر — یعنی عبدالباری[18] شہ آں سرگروہ اصفیا

آنکہ حق بر وے نمودہ نعمتِ باطن تمام — کز شیوخِ ہر طُرق اُو را خلافت شد عطا

یا الٰہی بہر آں شاہنشہِ ملکِ کمال — مرشدِ ہادیٔ من آں مقتدا و رہنما

فخرِ عالم غوث اعظم حافظ حامد حسن[19] — قطبِ ارشادِ زماں آں مہرِ اوجِ ابتدا

یا الٰہی از پئے حافظ سعیدِ[20] باوقار — ظلّہٗ مادام ممدوداً علیٰ رُوحِ سنا

روئے مہ تنویرِ او شمعِ رہِ کوئے مراد — قلبِ مہر آسائے او آئینہ وحدت نما

ایں بزرگاں را بدرگاہت شفیع آوردہ ام
از طفیلِ شانِ الٰہی استجب ہٰذا الدُّعا

شجرۂ سلسلۂ عالیہ چشتیہ

(منظوم فارسی)

خداوندا تو دادازی خداوندا تو دارائی — اِلٰہی اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ مَوْلَائِیْ

ذُنُوْبِیْ خَارِجٌ عَنْ حَدِّ اَعْدَادٍ وَّ اِحْصَائِیْ — فَاِنْ تَطْرُدْ فَلَا اِلَّا اِلَیْکَ مَلْجَائِیْ وَمَاوَائِیْ

وَاِنْ تَرْحَمْ عَلَیَّ فَاَنْتَ ذُوْمَنٍّ وَّ اِعْطَائِیْ

الٰہی از برائے مصطفےٰ[1] آں سیّدِ عالم — حبیبِ کبریا شاہِ رُسل فخرِ بنی آدم

خُدا بروے فرستد رحمتِ بے انتہا پیہم — نگردندے ملک ہرگز مگر خود پیشِ آدم خم

نبودے پیشِ رُویش گر تمنائے جبیں سائی

دو عالم ہمچو طیرِ سدرہ پا بندِ سرِ مویش — کہ باشد سورۂ واللیل شرحِ وصفِ گیسویش

بہائے ہشتِ باغِ خُلد خاشاکِ سرِ کویش — نخندندے اگر در گلشنِ تکوین گلِ رویش

نکردے نخلِ بندِ باغِ امکاں عالم آرائی

شہِ ملکِ رسالت آں سریر آرائے کرّمنا — بہارِ باغِ ما اوحیٰ چراغِ بزمِ او ادنیٰ

بفرقِ اوست زیبا تاجِ سبحان الذی اسریٰ — بمدحِ اُو چہ باشد بندۂ بیچارا را یارا

کہ خود ایزد بحسنِ بے مثال اوست شیدائی

الٰہی بہرِ شیرِ لافتیٰ[2] آں فاتحِ خیبر — امیر المومنین زوجِ بتول آں حیدر[3] و صفدر

پئے حضرت حسنؓ[4] بصری کہ بودہ عارفِ اکبر — بہ عبدالواحد[5] و حضرت فضیل[6] آں افضل و اطہر

بہ ابراہیم[7] ادہم تاجدارِ ملکِ یکتائی!

الٰہی از پئے حضرت حذیفہ[7] مرشد ارشد — الٰہی از پئے خواجہ ہبیرہ[8] بصری امجد
الٰہی از پئے ممشاد[9] و ہم اسحاق[10] و ابو احمد[11] — الٰہی از برائے بو محمد[12] عارف اوحد
برائے ناصر الدین[13] برمن مسکین بہ بخشائی

الٰہی از پئے مودود[14] چشتی مہر گردونی — پئے خواجہ شریف[15] آں مست بام حب بیچونی
عطا کن بخت ناسازم را یارب ہمایونی — الٰہی از برائے خواجہ عثمان[16] ہارونی
کہ از ملک طریقت زیبدش اورنگ آرائی

الٰہی بہر شاہنشاہ چشت آں خاوند خاصاں — معین الدین حسن[17] سلطان ہند آں خواجہ ذیشاں
شہ عرش آشیاں مقبول باری خازن عرفاں — ملک چیدند خاشاک درش از پنجہ مژگاں
ہزاراں کور از خاک درش پایند بینائی

الٰہی از برائے خواجہ قطب الدین[18] شہ نیکو — پئے خواجہ فرید الدین[19] شکر گنج آں رہ حق جو
الٰہی از پئے خواجہ نظام الدین[20] شہ خوش خو — کہ محبوب الٰہی از خدا آمد خطاب او
[illegible] چارہ کشائی

پئے خواجہ نصیر الدین[21] شمع پر ضیا یارب — پئے خواجہ کمال الدین[22] فخر الاتقیا یارب
پئے خواجہ سراج الدین[23] سراج الاولیا یارب — پئے خواجہ علیم الدین[24] [illegible] یارب
برائے خواجہ محمود[25] چشم لطف بمائی

الٰہی از پئے خواجہ جمال الدین دین آرا — پئے خواجہ حسن[27] خواجہ محمد[28] خواجہ یحییٰ[29]
پئے حضرت کلیم اللہ[30] جہان آبادی والا — پئے سید نظام الدین[31] شہ آں عاشق مولیٰ
الٰہی بہر فخر الدین[32] ہمائے اوج والائی

پئے سید نیاز احمد[33] شہ ملک ولا یارب — پئے مسکین[34] شاہ آں مایۂ دار اصطفا یارب

پئے حضرت نجابت[35] آں شہ کہف الوریٰ یارب — پئے حضرت کریم بخش[36] علوی رہنما یارب
کہ خود بخشند از لطف او را عزت افزائی

الٰہی بہر عبد الباری[37] آں شہ عارف کامل — بظاہر در بشر شامل بباطن با خدا واصل
امام الاصفیا قدسی صفات آں شیخ روشن دل — مہ برج امامت بدر شد در چاردہ منزل
کہ نور او ست ساطع از زمین تا چرخ مینائی

خمے سرو سے کہ زیب افزائے گلزار سیادت شد — زہے شاہے کہ تخت آرائے اقلیم طریقت شد
ز حق تفویض او را خدمت تجدید ملت شد — تعالی اللہ چہ شایاں بر حرش تاج امامت شد
کہ ہستند اہل گردوں بہر پاپوشش تمنائی

الٰہی بہر خاک آستان آیۂ رحمت — امیر کشور ملت ظہیر عسکر امت
ضیائے نیر عظمت بہائے گوہر وحدت — بشر صورت گہر طینت ملک رفعت ملک سیرت
ملاذی مستغاثی مرشدی کہفی و ملجائی

بود نعوت زمانہ حافظ حامد حسن[38] نامش — کہ باشد کحل چشم عارفاں خاک تہ گامش
[illegible] چہ [illegible] مرد [illegible] از آسیب انفاسش
مگر انفاس قدسش دارد اعجاز مسیحائی

[illegible] اسلاف [illegible] الرشید آں را — باں ذاتے کہ تحسین جنید و بایزید آں را
باں ذاتے کہ گوید حضرت حافظ حمید آں را — باں ذاتے کہ من نالہ کش ہل من مزید آں را
بدہ یارب ز فضل او مرا ذوق خدا داری

الٰہی من گنہ کردم الٰہی من خطا کردم — بپائے خود زدم تیشہ بجان خود جفا کردم
خجل گشتہ شدہ سوئے تو روئے التجا کردم — وسیلہ ایں بزرگاں را بسویت اتبغا کردم
بحق شاں بدہ عرض مرا فخر پذیرائی

Created and shared using Adobe Scan

الٰہی تو برام برپذیر و جام راہ وحدت دہ — الٰہی ہمت و ایثار و توفیق قناعت دہ
بہ تن شوقِ ریاضت دہ بجاں ذوقِ عبادت دہ — دل صاف و کشادہ دستی و چشم بصیرت دہ

رَبِّ اغْفِرْ ذُنُوبِیْ اَنْتَ ذُوْ فَضْلٍ وَّنِعْمَائِیْ

بیفگن برمنِ مسکین نگاہِ مکرمت یارب — مرا کن شربتِ جامِ شہادت مرحمت یارب
عطا فرمائے مارا لذتِ درد و غمت یارب — شناسائے خودم فرمائے تا بشناسمت یارب

خدا دندا پناہم دہ ز خود بینی و خود رائی

الٰہی آں چنانم کن کہ در شوقِ لقائے تو — بدل دارم ہوائے تو بلب دارم ثنائے تو
زیم در ابتغائے تو بمیرم در رضائے تو — چناں بیگانہ باشم اے خدا از ماسوائے تو

کہ گر دو یک قلم حک از دلم حرفِ من و مائی

وصایا حضرت مرشدنا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اللہ رب العزت کے نزدیک قبولیت اور محبوبیت کے کچھ اصول ہیں جن سے بلند عزائم والوں کو آراستہ ہونا۔ اور کچھ محرومی اور ناکامی کے اسباب ہیں جن سے اصحابِ فہم کو بچنا اور احتراز کرنا ضروری ہے۔

۱۔ بنیادی چیز جس سے ہر بلندی کی ابتدا ہوتی ہے خوفِ خدا ہے انسان میں اگر خوفِ خدا نہ ہو تو کسی طرح قبولیت ممکن نہیں۔

۲۔ محبتِ الٰہی ترقی اور عروج کا بنیادی سرچشمہ ہے جو اصحابِ محبت کی صحبتوں سے آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ اخلاص۔ اللہ کی رضا اور اطاعت کے جذبہ سے عمل کی ابتدا ہونی چاہیئے اگر یہ چیزیں مفقود ہیں تو جو لوگ ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہوں ان کی صحبت سے یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

۴۔ مسنونہ اور ماثورہ اشغال میں کسب اور مجاہدہ ترقی کی راہ کھولتا ہے اور خامیوں کو دفع کرتا ہے۔ صفائی باطن کے لیے خلوت لازمی ہے۔ اس سے حال مقام بن سکتا ہے۔

۵۔ اصحاب تقویٰ کے آپس میں اخلاص و محبت سے متحابون فی اللہ کا لشکر منظم ہوتا ہے۔

۶۔ حُبِّ دنیا سب سے بنیادی خامی ہے جس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۷۔ اختلاف۔ جمعیت کو پراگندہ کر دیتا ہے اس سے بچنا ضروری ہے، آپس میں اگر کسی بات میں اختلاف ہو تو خاموشی سے اس کا تدارک کرنا چاہیئے جو غلطی پر ہو اُسے محبت آمیز لہجہ میں سمجھانا چاہیئے تاکہ اختلاف بڑھنے نہ پائے اور آپس کی محبت میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔

۸۔ نیابت اور خلافت میں اہلیت کا خیال رکھنا ضروری ہے، محض آبائی وراثت کو بنیاد بنانے سے مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

۹۔ نسبتِ صوفیہ کی تکمیل کے لیے اصحابِ نسبت کی تعظیم و تکریم اور ان کا احترام لازمی ہے۔

۱۰۔ ریاضت، شغل و اشغال کا حاصل تقربِ الٰہی ہے۔ قدم سعی بیشتر بہتر تا آنکہ جنت الفردوس، دیدارِ خدا حاصل ہو۔

۱۱۔ سلسلہ کے احباب کو چاہیئے کہ معاصرت اور مسابقت کے غلط اثرات سے متاثر نہ ہوں آپس میں اخلاص اور محبت کا برتاؤ رکھیں اور اپنے کو امام الطریقہ حضرت سید عبد الباری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرید خیال کریں کہ اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

Created and shared using Adobe Scan

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(دستخط) حامد حسن علوی

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ